Corrected Final Version

قانون توہین رسالت کا اطلاق

سیّد خالد جامعی

شہید ممتاز قادری کو پھانسی دیے جانے پر غامدی صاحب سے کسی نے ٹیلی فون پر سوال کیا (۱) کیا ان کو شہید کہا جاسکتا ہے؟ (۲) کیا کسی اسلامی ملک کا شہری کسی دوسرے شہری پر خود حدود و تعزیر جاری کرسکتا ہے؟ (۳) اگر پاکستان بالفرض دارالحرب ہے تو کیا اس صورت میں اس کو دارالحرب سمجھنے والے کا کسی شہری پر از خود حدود و تعزیر جاری کرنا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ اجماع امت ہے کہ دارالحرب میں اسلامی شریعت کا نفاذ نہیں ہوسکتا نفاذ شریعت کے لیے دارالاسلام کا وجود لازم ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم ان سوالات کے بارے میں غامدی صاحب کے تفردات علمی آپ کے سامنے پیش کریں ایک نہایت اہم نکتے کا جائزہ لینا ضروری ہے جو شہید ممتاز قادری اور جاوید غامدی صاحب کی شخصیت میں بنیادی فرق واضح کرتا ہے وہ فرق ہے صداقت کے لیے عزیمت کا اظہار —— یعنی ایمان کی شہادت اپنے خون سے دینے کی روایت۔

شہید ممتاز قادری جس علمیت پر یقین رکھتے تھے خواہ وہ غامدی صاحب کی نظر میں غلط ہی ہو انھوں نے اُس علمیت کے مطابق عمل کیا اور خدا کے حضور حاضر ہوگئے انھوں نے معافی مانگنے سے انکار کیا اور اپنے لہو کی لکیر سے ایمان کی شہادت دی۔

ضروری ہے کفن بردوش رہنا — وطن ہے کوچۂ قاتل ہمارا
ہمیں روکے گی کیا دیوار تہمت — محرک ہے خلوص دل ہمارا
ہمارے آنسوؤں اور التجا کو — ترستا رہ گیا قاتل ہمارا

غامدی صاحب جس علمیت پر یقین رکھتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے ان کا اجتہاد ہے کہ داعی اپنی قوم کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتا کیوں کہ داعی کے لیے اصل مخاطب کی حیثیت اس کی اپنی قوم کو حاصل ہے یہ قرآن کی نص ہے لینذروا قومھم اذا رجعوآ الیھم [غامدی، میزان، لاہور، المورد، طبع دہم، ۲۰۱۵ء ص ۵۵۰] اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ظالم حکمرانوں کا ظلم بھی انھیں [داعی کو] دعوت کے کام سے باز نہ رکھ سکے [میزان، ص ۵۵۱، محولہ بالا] قرآن کے نصوص کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اور اپنے ہی اصول اور اجتہاد کو پامال کر کے غامدی صاحب نے ملائشیا میں خود ساختہ جلاوطنی اختیار کرلی جبکہ حکمران، طاقت کے تمام مراکز، میڈیا، ریاست اور حکومت سب غامدی صاحب کے حامی تھے کوئی ان پر ظلم نہیں کررہا تھا صرف عوام ان کے مخالف تھے انسانی تاریخ کے یہ پہلے مصلح [Reformer] ہیں جو حکمرانوں کے دل میں رہتے ہیں لیکن عوام کے دلوں میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ غامدی صاحب کا ہی اصول ہے جو میزان میں بیان ہوا ہے ''آدمی اگر اپنے اجتہاد یا گمان کے مطابق کسی چیز کو دین و شریعت کا تقاضہ سمجھتا ہے تو اس سے قطع نظر کہ وہ فی الواقع شریعت کا حکم ہے یا نہیں اس کی خلاف ورزی اس کے لیے جائز نہیں [میزان ص ۳۶۶ محولہ بالا] اس اجتہاد کی روشنی میں ان کی جلاوطنی ان کے اصول اور اجتہاد کے خلاف ہے اور حرام ہے۔

کیا ایسے عالم سے دین اخذ کیا جاسکتا ہے جو اپنے ہی اصول پر عمل نہ کرتے ہوں۔ خود غامدی صاحب کا اجتہاد ہے داعی کے قول و عمل میں کسی پہلو سے کوئی تضاد نہ ہو وہ جس حق کی طرف لوگوں کو دعوت دیں ان کا عمل بھی ان کی شہادت دے، دعوت بے عمل واعظوں کا نہیں بلکہ ارباب عزیمت کا کام ہے جو سب سے پہلے اپنے نفس کو مخاطب بناتے اور پھر اسے مجبور کرتے ہیں کہ وہ بالکل آخری درجے میں اس حق کو اختیار کرے [میزان ص ۵۵۲ محولہ بالا] غامدی صاحب کے اصولوں کے تحت غامدی صاحب جیسے عالم بے عمل کے تفردات کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس کے مقابلے میں شہید ممتاز قادری عالم باعمل ہے انھوں نے امت کی اجماعی علمیت سے جو فہم دین حاصل کیا اس پر عمل کر کے دکھایا اور عزیمت کے اس کام کو بالکل آخری درجے تک پہنچا کر زمین و آسمان میں زلزلہ اور مردہ دلوں میں ولولہ پیدا کردیا۔ شہید ممتاز قادری اس قافلہ عزیمت کے سپہ سالار تھے جس کے لیے یہ عارضی زندگی کوئی حیثیت نہیں رکھتی جو ہتھیلی پر سروں کے چراغ جلاتے ہیں وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے لیے کہا گیا ہے

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں — وہ ایک قطرۂ خوں جو رگِ گلو میں ہے

غامدی صاحب کے تفردات پر تنقید سے پہلے ایک اہم ترین انکشاف غامدی صاحب کی علمیت کے مصادر سے متعلق ہے " میزان " کے باب '' قانون جہاد'' میں

انہوں نے امت کے اجماع سے ثابت اقدامی جہاد کا انکار کیا ہے اس تصور جہاد کی روشنی میں اسلامی تاریخ کے تمام جہاد دہشت گردی کے زمرے میں آتے ہیں غامدی صاحب نے جہاد کا یہ فلسفہ خود تخلیق نہیں کیا بلکہ یہ فلسفہء جہاد فرانسیسی مفکر رینے گینوں (یحییٰ نور الدین) کے گمراہ روایتی مکتب فکر [Traditional School of Thought] کے اہم محقق ولیم چیٹک کی کتاب Vision of Islam اور ڈاکٹر حسین نصر کی کتاب Islam in the Modern World اور مرزا غلام احمد قادیانی کے صاحبزادے مرزا بشیر الدین محمود کی کتاب " دعــو ـة الامیــر " کا لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف سرقہ اور چربہ ہے۔ روایت کا مکتب فکر وحدت ادیان کے کفر کا قائل ہے اس مکتب فکر کے یہاں غامدی صاحب کی طرح اسلامی ریاست، سیاست، خلافت، قوت طاقت، کی بحث سرے سے ناپید ہے یہ مکتب فکر اسلامی سائنس، اسلامی فن تعمیر، اسلامی فنون کے احیاء کی بات کرتا ہے مگر یہ نہیں بتاتا کے ان سب کا احیاء اسلامی ریاست کے احیاء کے بغیر کیسے ممکن ہے۔

مرزا بشیر الدین محمود کی کتاب " دعــو ـة الامیــر "۲۸۴ صفحات پر مشتمل ہے یہ کتاب اصلاً ایک فارسی مکتوب ہے جو امیر افغانستان امیر امان اللہ خان کے نام قادیانی مذہب کی دعوت پہنچانے کے لئے تحریر کیا گیا تھا اس مکتوب کے اردو ترجمہ کا نام بھی " دعوة الامیر " ہے۔ ہمارے سامنے کتاب کی نویں اشاعت ہے جو ۱۹۷۹ء میں ضیاء الاسلام پریس ربوہ سے شائع ہوئی اس کے ناشر الشرکة الاسلامیہ ربوہ ہیں۔ کتاب کے صفحہ ۴۲ تا ۴۷ میں قادیانیت کا نظریہ جہاد بیان کیا گیا ہے۔ غامدی صاحب نے ان چھ صفحات کا خلاصہ اور قرآن کی آیتیں بھی اپنے قانون جہاد میں سرقہ کر کے شامل کر دیں۔

غامدی صاحب کی عربی دانی کا یہ حال ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں چھبیس صفحے کا صرف ایک عربی مضمون " شــواهــد الفراهی " کے نام سے لکھا۔ یہ مضمون ان کی کتاب مــقــامــات طبع دوم ۲۰۰۶ء میں شامل تھا اس مضمون میں عربی کی چھ سو پچاس اغلاط تھیں جن کا تنقیدی جائزہ ڈاکٹر رضوان ندوی نے لیا یہ جائزہ ماہنامہ ســاحــل کے شمارہ اپریل ۲۰۰۷ء میں پیش کیا گیا جس کے بعد غامدی صاحب نے یہ کتاب بازار سے غائب کرا دی اور یہی کتاب مــقــامــات کے نام سے صرف اردو میں طبع اول ۲۰۰۸ء میں شائع کرائی جس میں سے یہ عربی مضمون نکال دیا گیا۔ اشراق میں سترہ سال تک ان کی عربی تفسیر " الاشراق " کا اشتہار چھپتا رہا اب عربی تفسیر کا نام غامدی صاحب نے اپنی زیر طبع کتب کی فہرست سے بھی خارج کر دیا۔ اس قسم کے متجددین کے تفردات کی علمی دنیا میں کیا حیثیت ہوگی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ کیا وہ شہید ہیں؟ حضرت غامدی صاحب نے فرمایا ممتاز قادریؒ صاحب کو شہید کہنا یہ توہین عدالت ہے پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اسلامی عدالت کے فیصلے کی توہین اسلام کی توہین ہے ممتاز قادری سرکاری ملازم تھا اس نے لوگوں کی حفاظت کا حلف اٹھایا تھا اسے سب سے پہلے اپنی ملازمت سے استعفیٰ دینا چاہیے تھا آسیہ بی بی، تاثیر صاحب قادری صاحب قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ قادری صاحب نے دہشت گردی کا ارتکاب کیا ہے۔

غامدی صاحب کے اجتہادات اور اجتہادی فتوے اپنی جگہ ــــ سوال یہ ہے کہ کیا ممتاز قادریؒ ملازمت سے استعفیٰ دے کر سلمان تاثیر کو قتل کر دیتے تو کیا یہ جائز ہوتا ؟ غامدی صاحب کو یہ بھی نہیں معلوم کہ شہید ممتاز قادری نے سلمان تاثیر کو قتل کر کے صرف ملازمت سے استعفیٰ نہیں دیا صرف ملازمت ہی نہیں چھوڑی بلکہ اس دنیا کی عارضی زندگی کو بھی چھوڑ دیا۔

مرکب پہ تنِ پاک تھا اور خاک پہ سر تھا　　　اس خاک تلے جنت فردوس کا در تھا

غامدی صاحب کا یہ ارشاد کہ ممتاز قادریؒ نے گورنر کی حفاظت کا حلف اٹھایا تھا ایک کم زور دلیل ہے۔ شہید ممتاز قادریؒ نے سب سے پہلے اسلام اور ایمان کی شہادت کا حلف اٹھایا تھا۔ ایک مسلمان کا کام اللہ کی بندگی اور اس کے رسولؐ کی محبت میں زندگی بسر کرنا ہے۔ شہید ممتاز قادریؒ نے توہین رسالت کے دریدہ دہن مجرم کی حفاظت کا حلف نہیں اٹھایا تھا جس نے براہ راست شہید ممتاز قادریؒ کے سامنے ذات رسالت مآبؐ کی شان میں توہین آمیز جملے ادا کیے۔ سلمان تاثیر کی جانب سے توہین رسالت کے تمام شواہد ثبوت، دلائل علماء وکلاء، مفتی منیب الرحمان، مولانا حنیف قریشی اور جسٹس نذیر غازی نے نہایت کثرت سے اور تفصیل کے ساتھ پیش کیے ہیں جنھیں سلمان تاثیر کے صرف دو سطری وضاحتی بیان کی روشنی میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وضاحتی بیان کے بعد بھی سلمان تاثیر کی جانب سے توہین رسالت کے ساتھ ساتھ ــــ توہین رسالت کے قانون کی توہین کا سلسلہ متواتر جاری رہا۔

حیرت ہے کہ غامدی صاحب نے کبھی گورنر کو سرکاری نوکری سے استعفیٰ کا مشورہ نہیں دیا کہ وہ اپنی نوکری سے استعفیٰ دیتے اور (نعوذ باللہ) کالے قانون کے خلاف مہم چلاتے۔ اپنے عہدے سے استعفیٰ دینے کا اجتہاد غامدی صاحب نے صرف ممتاز قادری کے لیے کیا ہے یہی اجتہاد سلمان تاثیر کے لیے نہیں کیا گیا یعنی متجددین اجتہاد میں

بھی مساوات قائم نہیں رکھ پاتے۔لبرل انسان کے لیے نرم اجتہاد کرتے ہیں۔راسخ العقیدہ مسلم کے لیے سخت اجتہاد اور باتیں مساوات کی کرتے ہیں۔

پاکستانی ریاست نے سلمان تاثیر کی جانب سے توہین رسالت کے قانون کی مخالفت اور توہین رسالت کے ارتکاب کے معاملے کو تحقیقات کے لئے کسی عدالتی کمیشن کے سپرد کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی نہ سلمان تاثیر کو اخباری مہم جوئی، بیان بازی سے روکا۔ پاکستان کی تاریخ کا یہ پہلا حکمران تھا جو اپنے حلف کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ اپنی ہی حکومت اور اپنی ہی عدالت کے قانون اور فیصلوں کے خلاف مسلسل زہر اُگل رہا تھا اور قانونی طریقے اختیار کرنے کے بجائے عوامی بیانات پر اکتفا کر رہا تھا۔آسیہ بی بی کے خلاف آنے والے عدالتی فیصلے کے خلاف اپیل کے فیصلے کا انتظار کرنے کے بجائے وہ مہم جوئی کے سفر پر روانہ ہوگئے۔سلمان تاثیر کی تمام سرگرمیوں کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا تھا کیوں کہ دنیا کی پہلی نظریاتی اسلامی مملکت کے اسلامی گورنر اپنی عدالت کو جواب دہ ہی نہیں تھے۔دوسرے معنوں میں قانون پر عمل صرف اور صرف ممتاز قادری کو کرنا چاہیے تھا کیوں کہ اسے آئین نے کوئی استثناء نہیں دیا۔اسلامی ریاست میں عدالتی کاروائی کے موقع پر شہری اور حکمران برابر نہیں ہوتے۔صرف شہری کا کام قانون کی پابندی کرنا ہے، حکمران کا کام لاقانونیت پھیلانا ہے۔بے چارے علمائے کرام کو ابھی تک یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ جدید ریاست کیا ہوتی ہے اور کیا کرتی ہے۔

توہین رسالت کی شق ۲۹۵ (سی) پاکستانی قانون کا حصہ ہے یہ شق ۱۹۸۶ء میں منظور ہوئی اس کے الفاظ ہیں۔

دفعہ 295۔سی: ’’جو کوئی عمداً زبانی یا تحریری طور پر یا بطور طعنہ زنی یا بہتان تراشی بالواسطہ یا بلاواسطہ، اشارتاً یا کنایتاً نام محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین یا تنقیص یا بے حرمتی کرے وہ سزائے موت کا مستوجب ہوگا‘‘۔

یہ قانون توہین رسالت کا اصل متن [Text] ہے اس میں کیا چیز غلط ہے اور سلمان تاثیر صاحب اسے کالا قانون کہہ رہے ہیں کیا یہ توہین رسالت کا ارتکاب ہے یا نہیں؟ سپریم کورٹ کہہ رہی ہے کہ اس قانون کو کالا قانون کہنا توہین رسالت نہیں ہے کیا سپریم کورٹ کا یہ موقف درست ہے؟ یہ مسئلہ بھی شریعت کورٹ میں پیش کرنا چاہیے۔

سلمان تاثیر کو توہین رسالت کا قانون اچانک گورنر بننے کے بعد قابل اعتراض نظر آیا۔گورنر بننے سے پہلے اس قانون کے خلاف انھوں نے کوئی جدوجہد نہیں کی ماضی میں وہ کبھی اس قانون کے خلاف عدالت نہیں گئے، کبھی اپنے آئینی عہدے کو استعمال کرکے پیپلز پارٹی کی حکومت سے اس قانون کو تبدیل کرانے کی کوشش نہیں کی انھوں نے قانون کے مطابق عمل کیوں نہیں کیا اور اس کالے قانون (نعوذ باللہ) کی پاسداری کا حلف ہی کیوں اٹھایا، وہ حلف لینے سے انکار کردیتے اور قانون کے خلاف مہم چلاتے تو سمجھ میں بھی آتا کہ وہ واقعی اپنے کفر میں مخلص ہیں اور بیرونی طاقتوں کے اشاروں پر کام نہیں کررہے۔ سوال یہ ہے کہ پاکستان میں ہر قانون کا غلط استعمال ہورہا ہے لیکن انھیں صرف توہین رسالت کے قانون کے غلط استعمال پر کیوں دکھ پہنچا، انھوں نے صرف آسیہ بی بی کے ساتھ پریس کانفرنس کیوں کی، اگر وہ جیلوں میں سڑنے والے ہر بے گناہ کے ساتھ بیٹھ کر پریس کانفرنس کرتے اور ہر قانون کے غلط استعمال پر احتجاج کرتے تو شاید ان کی بدنیتی چھپ سکتی تھی۔آسیہ کے خلاف عدالتی فیصلے کے خلاف جیل کے اندر ملزمہ کو ساتھ بٹھا کر سلمان تاثیر کی پریس کانفرنس خود توہین عدالت تھی لیکن آئین کے تحت گورنر کے خلاف کوئی کاروائی نہیں ہوسکتی تھی حالانکہ اسی عدالت نے توہین عدالت پر پاکستان کے وزیراعظم کو برطرف کردیا تھا۔عدالت کی توہین پر وزیراعظم برطرف ہوسکتا ہے رسالت مآبؐ کی بار بار توہین پر گورنر برطرف نہیں ہوسکتا۔کیا پاکستانی آئین کی شان شان رسالتؐ سے بھی اونچی ہے؟ ہمارے علماء کسی عدالت کے سامنے یہ نقطۂ نظر پیش نہیں کرسکے۔سلمان تاثیر نے یہ بھی کہا تھا کہ صدر آصف زرداری اپیل میں آسیہ کو معاف کردیں گے حالانکہ صدر سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد ہی آسیہ کو معاف کرسکتے تھے۔لیکن سپریم کورٹ کا فیصلہ آنے سے پہلے ہی گورنر تاثیر نے خود فیصلہ بھی سنا دیا یعنی گورنر صاحب کو یقین تھا کہ سپریم کورٹ کورٹ کا فیصلہ بھی آسیہ کے خلاف ہی آئے گا۔سلمان تاثیر کا یہ دعویٰ تھا کہ قانون توہین رسالت کا غلط استعمال کیا جارہا ہے لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب سے یہ قانون نافذ ہوا ہے اس وقت سے لے کر آج تک کسی شخص کو اس قانون کے تحت پھانسی کی سزا نہیں ہوسکی اس قانون کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے تمام انتظامات قانون میں موجود ہیں اور ایسے سخت انتظامات کسی اور قانون کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے نہیں کئے گئے لہٰذا یہ بھی محض بہتان الزام دشنام طرازی ہے۔ یہ سلمان تاثیر کے جرائم کی مختصر فہرست ہے یہ دیدہ دلیری، یہ اعتماد اور یہ پس منظر، تاثیر صاحب کے دلائل اور ان کا جارحانہ انداز اگر کسی غیرت مند مسلمان کو اقدام پر آمادہ کرے تو یہ اقدام ایک اسلامی قدم ہے اس کی مذمت کی کوئی گنجائش نہیں۔ممتاز قادری کو جذباتی عاشق کہنا اسے قانون کا مجرم قرار دینا بالکل غلط بات ہے۔

سلمان تاثیر نے آئین کی دفعہ ۱۰۲ کے تحت اٹھائے گئے گورنر کے حلف کی توہین کی جب کہ وہ ریاست پاکستان کے ہر قانون کی پاسداری کا حلف اٹھا چکے تھے اس حلف کے تحت وہ عدالتوں کے دیے گئے فیصلوں کے بھی پابند تھے۔حلف کے الفاظ پڑھیے:

That, as Governorof Province of_______ I will discharge my duties, and perform my functions, honestly, to the best of my ability, faithfully in accordance with the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan and the law, and always in the interest of the sovereignty, integrity, solidarity, well- being and prosperity of Pakistan:
That I will preserve, protect and defend the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan:
That, in all circumstances, I will do right to all manner of people, according to law, without fear or favor, affection or ill- will:

آسیہ بی بی ایک عیسائی عورت ہے جس پر الزام تھا کہ اس نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا۔ پولس اور عدالت کے سامنے اس کے اعترافی بیان کے بعد الزام ثابت ہونے پر اس کے خلاف مقدمہ چلا، عدالت نے اسے سزا دی ابھی تک اس کی اپیل عدالت عظمیٰ میں زیر سماعت بلکہ مسلسل زیر التوا ہے__ سلمان تاثیر نے گورنر کے حلف کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پاکستان کے قانون کی مذمت کی جبکہ انہوں نے آئین اور قانون پاکستان کی پاسداری کا حلف اٹھایا تھا۔ انھوں نے آسیہ بی بی کے مقدمے میں عدالتی فیصلے کے باوجود اس فیصلے کے خلاف جیل میں پریس کانفرنس کی اور بعد میں توہین رسالت بھی کرتے رہے جس کے ثبوت پانچ سو علماء کے فتوے میں درج ہیں اور جسٹس نذیر احمد غازی نے وہ ثبوت عدالت میں بھی پیش کردیے۔ اس حلف کے تحت وہ ریاست کے تمام اسلامی وغیر اسلامی قوانین [Laws] کی حفاظت کے ذمہ دار تھے انھوں نے توہین رسالت کے قانون کو کالا قانون کہہ کر اس کے خلاف اخباری مہم جوئی شروع کی۔ ریاست عدالت سب خاموش رہے۔ جسٹس نذیر غازی کی شہادت کے مطابق شہریوں نے گورنر کے خلاف پنجاب کے مختلف تھانوں میں FIR درج کرانے کی کوشش کی تو ہر جگہ ایک ہی جواب ملا کہ گورنر کے خلاف FIR کا اندراج نہیں کیا جاسکتا لوگوں نے گورنر کے خلاف راولپنڈی کی عدالت عالیہ میں آئینی درخواست دائر کی کہ سلمان تاثیر کو توہین رسالت کے قانون کے خلاف بیان بازی سے روکا جائے وہ توہین رسالت کے مرتکب ہورہے ہیں انہیں ان کے عہدے سے برطرف کیا جائے سلمان تاثیر کے خلاف توہین رسالت کے تمام ثبوت بھی عدالت کے سامنے پیش کیے گئے تو عدالت نے اس درخواست کو مسترد کردیا کہ گورنر کو آئینی تحفظ حاصل ہے ان کے اقدامات اور اعمال کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا ان کے خلاف مقدمہ دائر نہیں کیا جاسکتا۔ عدالت نے حکومت کو یہ ہدایت بھی نہیں کی کہ وہ گورنر کو اپنے حلف کی پاس داری کی طرف متوجہ کریں۔ واضح رہے کہ پاکستان کا آئین عین اسلامی ہے آئینی طور پر یہ ایک اسلامی ریاست ہے اور تمام مکاتب فکر کے علماء نے متفقہ طور پر ۱۹۷۳ء میں اس آئین پر دستخط کر کے اس کو اسلامی آئین کی سند بھی عطا فرمائی ہے تمام علماء اسمبلیوں میں اس آئین کا حلف بھی اٹھاتے ہیں۔ یہ غیر اسلامی شق کہ گورنر کے خلاف کوئی عدالتی کاروائی نہیں ہوسکتی۔ سلمان تاثیر کے قتل کا اصل سبب ہے۔ اگر آئین کی اصلاح کردی جاتی یا علماء کے فتوے کو غلط ثابت کردیا جاتا یا علماء اپنے فتوے سے خود رجوع کرلیتے اسلامی ریاست اپنے گورنر کو برطرف کردیتی یا اس کے خلاف FIR کٹ جاتی، عدالتوں میں اس کے خلاف مقدمے چلتے رہتے یا عدالتی کمیشن قائم کیا جاتا تو شہید ممتاز قادریؒ کو عدالت، ریاست کے فرائض انجام دینے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ خلاء کبھی باقی نہیں رہ سکتا اسلام کے نام پر جو خلاء جان بوجھ کر باقی رکھا گیا شہید ممتاز قادریؒ نے اپنے ایمان سے اس خلاء کو پُر کردیا۔ اس عمل کی علمیت اجماع امت سے ثابت ہے تمام مکاتب فکر اسے تسلیم کرتے ہیں اگر منشور انسانی حقوق اور پاکستانی قانون اجماع امت کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ اپنی اصلاح کرلے امت کی علمیت اور اجماع امت کی اصلاح کی کوشش نہ کرے اسلام کا ہر وہ حکم جو قرآن سنت اور اجماع سے ثابت ہے پاکستان کے آئین پر بالا دست ہے۔ اسلامی قوانین کے عقلی دلائل پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں مغرب بھی اپنے معروضات اور مسلمات کی کوئی عقلی دلیل پیش نہیں کرتا۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ اگر ممتاز قادریؒ کو شہید کہنا توہین عدالت ہے تو پاکستان پیپلز پارٹی گزشتہ چالیس سال سے ذوالفقار علی بھٹو کو شہید کہہ رہی اور لکھ رہی ہے __ اخبارات میں بھٹو صاحب کے نام کے ساتھ شہید لکھا جاتا ہے اشتہارات شائع ہوتے ہیں پیپلز پارٹی کی قیادت چالیس سال سے بھٹو صاحب کو پھانسی دیے جانے کے فیصلے کو عدالتی قتل Judicial Murder کہہ رہی ہے ۔ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ سے بھٹو صاحب کو پھانسی کے فیصلوں کے خلاف پیپلز پارٹی کی قیادت کے ہزاروں بیانات اخبارات میں شائع ہوچکے ہیں۔ پیپلز پارٹی ہزاروں مرتبہ اس فیصلے کو منسوخ کرنے اور اس غلط فیصلے پر نظر ثانی کا مطالبہ کرچکی ہے۔ سپریم کورٹ اور فوج کے خلاف جتنا زہر پی پی نے اُگلا اس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا اس زہر نا کی کی کچھ حقیقی وجوہات بھی ہیں جن کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن کسی نے آج تک اسے توہین عدالت نہیں کہا حتیٰ کہ عدالت عظمیٰ بھی اتنی روادار ہے کہ اس نے کبھی پیپلز پارٹی کے مسلسل مستقل جارحانہ بیانات پر اس کے رہنماؤں اور اخبارات کو توہین عدالت کا ایک نوٹس بھی جاری نہیں کیا

عدالت کے فیصلوں کی چالیس سال سے توہین کرنے والی پیپلز پارٹی چار مرتبہ حکومت بھی بنا چکی ہے جبکہ توہین کا مجرم کبھی کسی سرکاری عہدے پر فائز نہیں ہوسکتا ـــــ غامدی صاحب نے اس بارے میں کوئی اجتہاد پیش نہیں کیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر ذوالفقار علی بھٹو کو شہید کہا اور لکھا جاسکتا ہے اور پی پی کی طرف سے عدالت عظمیٰ کو گالیاں بھی دی جاسکتی ہیں تو ممتاز قادری کو شہید کہنے میں توہین کا سوال کیسے پیدا ہوگیا؟ کیا بھٹو صاحب کے لیے کوئی خاص قانون اور ممتاز قادری صاحب کے لیے دوسرا قانون ہے یہ کیسا تخلیقی اجتہاد ہے؟ ممتاز قادری کو دہشت گردی کے الزام میں سزا سنانے والے جج نے فیصلہ سنانے سے پہلے کہا کہ اسلام کی رو سے تمہارا یہ اقدام جائز اور درست تھا لیکن ملکی قانون کے تحت میں تمہیں دہری موت کی سزا دیتا ہوں (ندائے خلافت جلد ۲۰ شمارہ ۴۰ ۱۷ اکتوبر ۲۰۱۱ء ص ایک، اداریہ) دوسرے معنوں میں ممتاز قادری کا اقدام اسلامی قانون کی روشنی میں درست تھا لیکن ملکی سیکولر قانون کی روشنی میں غلط تھا غامدی صاحب نے اس موقع پر کوئی اجتہاد پیش نہیں کیا۔

جس زمانے میں غامدی صاحب جنرل پرویز کے مشیر خاص تھے اس زمانے میں جنرل صاحب نے چیف جسٹس افتخار چوہدری کو ایوان صدر طلب کر کے ان سے جبری استعفیٰ لینے کی کوشش کی اس کوشش میں جنرل کیانی بھی شریک تھے غامدی صاحب نے اس استبدادی موقع پر کوئی اجتہادی رائے پیش نہیں کی جدید اجتہاد استبداد اور استعمار کا ـــــ سرسید اور عبدہ کے زمانے سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔

عدالت عظمیٰ کے چیف جسٹس افتخار چوہدری ۱۱ مئی کو کراچی کے دورے پر تشریف لائے تو ایم کیو ایم نے پرویز مشرف کے کہنے پر نہایت پُرامن، جمہوری، آئینی، سیاسی، احتجاجی، اجتماعی طریقے سے ایئرپورٹ کا گھیراؤ کر لیا اور چیف جسٹس کو ایئرپورٹ سے باہر نکلنے نہیں دیا عدالت عالیہ کے جج جو اپنے فرائض انجام دینے کورٹ آرہے تھے انہیں ہجوم نے راستے میں جگہ جگہ روک کر واپس بھیج دیا عدالت اس دن معطل رہی۔ سندھ ہائی کورٹ نے عدلیہ کے کام میں مداخلت، چیف جسٹس کو ایئرپورٹ سے باہر نہ نکلنے کے الزام میں ایم کیو ایم کے خلاف کاروائی شروع کی تو سندھ ہائی کورٹ کے کورٹ روم اور عدالت کے باہر ایم کیو ایم کے ہزاروں پرامن خاموش کارکن سیاسی، جمہوری، مذمتی، آئینی احتجاج کرنے جمع ہوگئے عدالت نے اپنے اِرد گرد ہزاروں اجنبی چہرے دیکھے تو گھبراہٹ اور خوف کے باعث کاروائی کو معطل کر دیا مقدمہ ابھی تک چل رہا ہے۔ اس توہین عدالت پر غامدی صاحب نے کوئی اجتہاد نہیں کیا نہ پرویز مشرف کی حمایت سے انکار کیا۔ نہ عدالت کی عظمت کے قصیدے پڑھے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جدید ریاست کا ہر عمل جائز ہوتا ہے خواہ وہ ریاست کے کسی بنیادی جزو کے ہی خلاف کیوں نہ ہو اور میکس ویبر Max Weber کے مطابق ریاست لامتناہی تشدد [Monopoly of unlimited violence] کا اختیار رکھتی ہے یعنی صرف جدید ریاست کو ہی یہ حق حاصل ہے کہ وہ منظّم استبدادی کاروائیاں کرسکتی ہے خواہ یہ کاروائیاں ریاست کے مخالفین کے خلاف ہوں، ریاست کی اصلاح کے طالب گروہوں کے خلاف ہوں یا ریاست کے اپنے ہی اجزاء کے خلاف ہوں۔ خواہ ریاست کے سب سے معزز ادارے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے خلاف ہوں افتخار صاحب سے بندوق کی نوک پر جبری استعفیٰ طلب کرنا ـــــ کیا پرویز مشرف کا یہ اقدام دہشت گردی تھا یا نہیں ـــــ تو کیا اس عمل پر عدالت نے دہشت گردی کی دفعات کے تحت کارروائی کی یا نہیں؟ مسئلہ یہ ہے کہ ریاست جو کچھ بھی کرتی ہے اس کا قانونی جواز اسے ہمیشہ حاصل رہتا ہے۔ اور غامدی صاحب ایسی جمہوری استبدادی ریاست کو عین اسلامی سمجھتے ہیں۔

عہد حاضر میں مغرب کی پیدا کردہ جدید قومی آمرانہ جابرانہ سیکولر جمہوری سرمایہ دارانہ ریاست کی طاقت اور قوت بہیمانہ جبلت کی حقیقت جاننے کے لیے Anthonoy Giddens، Haber Mass، Carl Schmit، Hans Kelsen، Gramsci، Focualt, John Lock, Hobbes کی کتابیں کلیدی رہنمائی مہیا کرتی ہیں مغرب کی تخلیق کردہ جدید ریاست کو ہر قسم کا اختیار قانونی طور پر حاصل ہے جبر پر صرف ریاست کا اجارہ ہے اس میں کوئی دوسرا شرکت نہیں کرسکتا۔ James M. Lutz کی کتاب Global Terrorism، مائیکل گراس Michael L. Gross کی کتاب Moral Dilemmas of Modern War: Torture, Assassination, and Blackmail in an Age of Asymmetric Conflict اور Robert Pape کی کتاب Dying to win

Beau Grosscup کی کتاب Strategic Terror: The Politics and ethics of Aerial Bombardment۔

فرانسیسی فلسفی J.illul کی کتاب The Technological society طلال اسد کی کتاب On Sucide Bombing انتھونی گڈنز کی کتاب The nation state & violence اس موضوع پر اہم ترین کتابیں ہیں

بلدیہ ٹاؤن کی فیکٹری Ali Enterprises میں تین سو مردوں عورتوں کو زندہ جلا کر قتل کر دینے والوں کو دہشت گردی کے قانون کے تحت مقدمات کا سامنا کیوں نہیں ہے۔ آرمی پبلک اسکول کے حملے میں تو صرف ۱۴۱ بچوں کو گولیوں سے مار دیا گیا تھا لیکن ان تین سو مرد عورتوں کو تو جلا کر مارا گیا ان کی لاشیں آگ میں جلتی، چربی پگھلتی اور ہڈیاں چٹختی رہیں۔ اس اذیت ناک اور دردناک حادثے سے آرمی پبلک اسکول کے حادثے کا کوئی موازنہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ مگر دہشت گردی کی یہ بدترین کارروائی بھلا دی گئی یہ مرنے والے کسی کے دشمن، حریف، فریق اور حلیف بھی نہیں تھے انھوں نے کسی کے ماں باپ کے خلاف جنگ بھی نہیں کی تھی یہ تو کسی جنگ کا حصہ ہی نہیں تھے یک طرفہ دہشت گردی کی یہ ہولناک واردات کیوں فراموش کر دی گئی یہ قومی سانحہ کیوں نہ بن سکی؟ حتیٰ کہ شرمین عبید نے بھی اس طرف توجہ نہیں کی۔ جلتی ہوئی عورت کی پگھلتی ہوئی چربی سلگتے ہوئے بالوں اور مچلتے ہوئے جسم کی فلم تو بہت چلتی۔

یہ ریاست کی قوت کا اظہار ہے صرف ریاست پر اس کے اداروں پر حملہ بدترین دہشت گردی اور قومی سانحہ ہے کسی فیکٹری میں بے گناہ عورتوں پر بدترین حملہ صرف ایک افسوس ناک حادثہ، محض واقعہ اور سانحہ ہے سلالہ چیک پوسٹ پر حملے اور ڈرون حملوں کے سلسلے میں ریاست کے دو مختلف ردعمل اسی قوت اور جبروت کا اظہار ہیں۔

کراچی میں ڈکیتیوں کی وارداتوں میں بے تحاشہ اضافہ ہوا اور حکومت، پولیس، ریاست، ایجنسیوں نے کوئی کردار ادا نہیں کیا تو لوگوں نے موقع واردات پر ڈاکوؤں کو پکڑ پکڑ کر قتل کر دیا، زندہ جلا دیا، ڈنڈے مار مار کر نہایت وحشیانہ، ظالمانہ طریقوں سے ہلاک کر دیا۔ تب کسی NGO، کسی لبرل نے اس عمل کو دہشت گردی قرار نہیں دیا۔ شرمین عبید چنائے نے انسانیت کی اس تذلیل پر کوئی فلم نہیں بنائی، کوئی NGO مقتولین کے غم میں موم بتیاں جلانے، کبوتر اڑانے، چراغ بجھانے اور پھولوں کی پتیاں نچھاور کرنے کے لیے نہیں آئی۔ کیوں کہ اس دہشت گردی سے عوام کا کتھارسس ہوا، ریاست مضبوط ہوئی، لوگوں کا غصہ ریاست کی طرف منتقل نہیں ہوا، کسی کو سول سوسائٹی، انسانی حقوق، آئین و قانون کی پاسداری کا خیال نہیں آیا۔ چیف جسٹس افتخار چوہدری نے اس دہشت گردی کا suomoto نوٹس تک نہیں لیا۔ پاکستان میں اس دہشت گردی کی اجازت کس قانون کے تحت دی گئی؟ تمام عدالتیں، حکومت، ریاست NGOs سب چپ رہے جب لوگ اپنے مال کے ڈاکو کو قتل کر رہے تھے اور ریاست چپ تھی تو اگر کسی شخص نے اپنے ایمان کے ڈاکو کو قتل کر دیا تو ریاست کیوں حرکت میں آ گئی؟

اگر ممتاز قادری کا فعل دہشت گردی تھا تو کراچی میں ڈاکوؤں کی زندگی چھیننے والے ڈاکوؤں کو زندگی سے محروم کرنے والے شہری ڈاکوؤں کے لیے دہشت گردی کی اصطلاح کیوں استعمال نہیں کی گئی اور ان کو دہشت گرد قرار دے کر ان کے خلاف مقدمہ کیوں نہیں چلایا گیا۔ عوام کو کس نے اختیار دیا کہ وہ مال پر ڈاکہ ڈالنے والے مہذب متمدن شہریوں کی زندگی پہ سرعام ڈاکہ ڈالیں اور دہشت پھیلا کر دہشت زدہ کر کے کسی عدالتی فیصلے کے بغیر خود سرعام بے دردی سے ملزموں کو مجرم قرار دے کر خود ہی قتل کر دیں۔ ریاست کی قوت اور قانون کی بالادستی تب کہاں رہ گئی تھی؟

کوئٹہ میں خروٹ آباد میں ازبک شہریوں کو سڑک پر نہایت بے دردی کے ساتھ دہشت گرد قرار دے کر قتل کر دیا گیا۔ تحقیقات ہوئیں، دہشت گرد بے گناہ قرار دیئے گئے، مگر اس حادثے میں دہشت گردی کا مقدمہ نہیں بنایا گیا۔ چیف جسٹس افتخار چوہدری جو بات بات پر سوموٹو نوٹس کے تحت مقدمات قائم کرتے تھے انھوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اگر آئندہ پولیس مقابلے میں ملزم، مجرم یا بے گناہ لوگ مارے گئے تو اس واردات کا مقدمہ دہشت گردی کی دفعات کے تحت پولیس والوں اور محکمہ پولیس کے سربراہ اور وزیر داخلہ کے خلاف قائم کیا جائے گا کیوں کہ صرف جدید ریاست کو دہشت گردی کا اختیار حاصل ہے وہ جو چاہے کرے۔ لاہور میں ریمنڈ ڈیوس نے دہشت گردی کا ارتکاب کیا ایک غیر ملکی شہری نے پاکستانی شہریوں کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا وہ دہشت گردی کے دائرے میں آتا تھا لیکن اس کے خلاف دہشت گردی کا مقدمہ درج نہیں کیا گیا مگر ایک عاشق رسول کے خلاف دہشت گردی کے الزام میں مقدمہ درج کیا گیا کیا عشق رسالت ؐ اور دہشت گردی مترادف اصطلاحات ہیں؟ یہ مسئلہ بھی وفاقی شریعت عدالت کے سامنے پیش کیا جانا چاہیے۔

پنجاب میں بسنت کے میلے کے موقع پر ہر سال کئی بچوں اور لڑکیوں کی گردنیں مانجھے سے کٹ جاتی ہیں سینکڑوں بچے چھتوں سے گر کر معذور ہو جاتے ہیں ہزاروں لوگ زخمی ہوتے ہیں سپریم کورٹ نے پتنگ سازی پر پابندی عائد کی تو پتنگ والے احتجاجی جلوس لے کر پہنچ گئے کہ ہم بھوکے مریں گے۔ لوگوں کی گردنیں کاٹنا اور اس عمل کو اپنے روزگار کے جواز کے طور پر پیش کرنا اور اس پر احتجاج بھی کرنا کیا دہشت گردی کی بدترین صورت نہیں ہے۔ کیا بچوں کی گردن کاٹنے والے اور بچوں کو پتنگوں کے ذریعے چھتوں سے زمین پر گرانے والے دہشت گرد نہیں ہیں۔

آج تک کسی NGO نے، ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان نے بسنت پر پابندی کا مطالبہ نہیں کیا شرمین عبید کو بھی فلم بنانے کا خیال نہیں آیا کہ یہ کیسا ملک ہے جہاں ہر سال ماؤں کے لال کی گردن پتنگ کی ڈور سے کاٹ دی جاتی ہے روتی ہوئی ماں، کٹتی ہوئی گردن، زمین پر خون کا ساگر، بلکتی ہوئی بہن، مچلتے ہوئے ننھے بھائی، باپ کے آنسو، عورتوں کی آہ وبکا ان دل دوز مناظر کی عکس بندی کی کوشش اصلاً آزادی کے عقیدے [Faith of Freedom] کے لیے تباہ کن ہے ایسی فلموں پر آسکر ایوارڈ نہیں مل سکتا لہٰذا آزادی کے عقیدے کی بھاری قیمت ادا کی جارہی ہے بسنت کے قتل دہشت گردی نہیں ہیں۔ یہ آزادی Freedom کے عقیدے کی خونی گواہی ہے آزادی میں اضافے کے لیے خون کا بہنا اور بہانا بھی جائز ہے بسنت کے میلے سے لوگوں کی آزادی، لذت، افادہ، مزوں میں اضافہ ہوتا ہے لہٰذا یہ عمل کانٹ کے فلسفہء اخلاق کے تحت بالکل ٹھیک ہے۔ مغرب اسے پسند کرتا ہے لہٰذا کوئی عالمی تنظیم، انسانی حقوق کا کوئی علم بردار، کوئی NGO، HRCP، بسنت پر پابندی کا مطالبہ نہیں کررہے۔

جدیدیت، سیکولرازم اور لبرل ازم میں آزادی میں اضافے کی خاطر لذت مسرت [Pleasurism] کے لیے پتنگ سے بچے کی گردن کاٹ دینا جائز عمل ہے اور اگر کوئی اپنے پیغمبر کے لیے ان کی شان قائم رکھنے کے لیے کسی کی گردن کاٹ دے تو وہ حرام ہے؟ مغرب اگر اپنے تصور خیر آزادی کے لیے لوگوں کی جان لے سکتا ہے تو اسلام بھی اپنے تصور خیر بندگی اور محبت رسولؐ کے لیے کسی کی جان لے سکتا ہے۔ جان دونوں لے رہے ہیں تو پھر اعتراض صرف اسلام پر کیوں آزادی [Freedom] کے عقیدوں پر کیوں نہیں؟

کسی تہذیب کا تصور الحق [Suprem Good] جبر کے بغیر کام نہیں کرتا آخر آزادی کے جبر [Compulsion of Freedom] کی خاطر دو سال کے بچوں کو پوری دنیا کے ہر ملک ہر شہر اور ہر گھر میں صبح سویرے مکّے، ٹھڈے، جوتے، تھپڑ، گھونسے لاتیں مار کر اور گالم گلوچ کرکے بستروں سے کھینچ کر مارتے ہوئے اسکول بھیجا جاتا ہے یہ صرف جبر نہیں دہشت گردی ہے تاریخ کی بدترین دہشت گردی کہ ایک سگی ماں اپنے بچہ کو دہشت زدہ کرکے جبراً اسکول بھیج رہی ہے کوئی بچہ صبح اسکول جانا پسند نہیں کرتا یہ آزادی کا جبر ہے ہمیں یہ قبول ہے مگر مذہب کا جبر [Compulsion of Religion] تمہیں قبول نہیں ہے۔

آزادی کے عقیدے کے لئے مذہب، روایات، اقدار، اخلاق پر پابندیاں قبول ہیں مگر اسلام کے عقیدے کی پابندیاں ناقابل قبول ہیں جبر آزادی میں بھی ہے جبر مذہب میں بھی ہے یہ ایمان اور عقیدے کا سوال ہے کہ کون سا جبر تمہیں قبول ہے۔ جبر کے بغیر دنیا میں کوئی تہذیب، ریاست، سلطنت، عقیدہ مستحکم نہیں رہ سکتا۔

لبرل ازم کا یہ دعویٰ کہ اس نے ہر قسم کے جبر سے آزادی دی جھوٹا دعویٰ ہے مغرب کے بڑے بڑے فلسفی لکھ چکے ہیں کہ ماڈرن ازم اور لبرل ازم نے عیسائیت کے مذہبی جبر سے آزادی کے نام پر وہ وہ جبر قائم کئے جس کا تصور عیسائیت میں بھی نہیں کیا جاسکتا۔ انسان اپنی خواب گاہ میں بھی محفوظ نہیں ہے امریکہ کے ہر شہری کے فون روزانہ ٹیپ کئے جاتے ہیں انسان کی نجی زندگی بھی آلات کے ذریعے ریاست کی دسترس میں آچکی ہے مگر پاکستانی لبرل ابھی تک مذہبی جبر کے خلاف آوازیں بلند کررہے ہیں آزادی کے بے تحاشہ جبر پر چپ ہیں۔

شرمین عبید چنائے کبھی صبح سویرے ماؤں کے ہاتھوں بچوں پر ہونے والے بدترین مظالم بلکہ دہشت گردی اور روزانہ کی دہشت گردی پر فلم نہیں بنائے گی کیونکہ یہ فلم مذہب کے خلاف دلیل فراہم نہیں کرتی بلکہ مغرب، لبرل ازم، فریڈم اور آزادی کے عقیدے کے جبر ظلم وستم کی ہولناک، خونی، وحشت ناک کہانی سناتی ہے اور اس پر 'آسکر ایوارڈ' بھی نہیں ملے گا نہ نواز شریف اسے ایوان وزیر اعظم میں گھسنے دیں گے نہ اس کی عزت ہوگی نہ دولت ملے گی نہ اخباروں میں ان کا چرچا ہوگا عزت، دولت اور شہرت صرف اسے ملتی ہے جو اسلام کے جسم پر زخم لگائے اور مغرب کے عقیدہ آزادی [Freedom] کو عام کردے۔

پاکستان کی سپریم کورٹ نے کبھی بچوں کے خلاف ہونے والی اس دہشت گردی کا Suo Moto نوٹس نہیں لیا کیوں کہ خود عدالت عظمٰی کے جج اور ان کے گھروں کے بچے اسی طریقے سے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور یہ جبر جائز ہے اس جبر سے علم، تہذیب، اعتماد، نوکری، دولت، عزت، شہرت اور بلندی ملتی ہے بس ممتاز قادری کا مذہبی جبر ناجائز تھا۔

شرمین عبید چنائے کی فلم A Girl in the River صرف یہ بتاتی ہے کہ لڑکی کے باپ نے اسلام پر عمل نہیں کیا اس نے اسلام کے اصول توڑے اور بیٹی کی گناہ گار زندگی پر اسے قتل کرنے کی کوشش کی لیکن شرمین نے فلم میں یہ نہیں بتایا کہ اسلام پر عمل کرنا صرف باپ کے لئے ضروری ہے، مخلوط نظام تعلیم، مخلوط تہذیب ومعاشرت، بے حیا میڈیا اور پاکستانی ریاست اور خود لڑکی پر اسلامی احکامات کا اطلاق نہیں ہوتا__ یہ سب عین اسلام کے مطابق کام کررہے تھے لڑکی اسلام پر عمل کرتے ہوئے لڑکے سے دوستی کررہی تھی، باپ کے پیسوں پر عشق لڑا رہی تھی ریاست کا نظام تعلیم، میڈیا، موبائل فون کی سروس عین اسلام اور شریعت کے مطابق آزادانہ تعلقات قائم کرنے کے مواقع

فراہم کررہے تھے ان اسلامی مواقع کی فراہمی کے بعد جب باپ نے آشناؤں کی آشنائی میں گولی سے مداخلت کی تو بس یہ غیر شرعی کام تھا باقی سب کام شریعت کے مطابق تھا۔ ریاست، لڑکی، لڑکا، سب شریعت پر چل رہے تھے۔ ظاہر ہے جدید اسلامی ریاست، معاشرت میں باپ ہی گناہ گار ہے۔ یہ طریقہ Reductionism ہے یعنی اصل واقعے کو پس منظر سے کاٹ کر مغربی مقاصد کے مطابق بیان کرنا اگر پاکستانی ریاست حکومت یہاں کا میڈیا، یہاں کا نظام تعلیم، یہاں کی معاشرت یہاں کی موبائل فون کمپنیاں اوران کے پیکج وہ لڑکی وہ لڑکا سب اسلام کے تابع ہوتے اور شریعت کو اپنا رہنما بناتے تو باپ کو اس انتہائی اقدام کی ضرورت ہی نہ ہوتی جب ریاست کے کسی دائرے نے شریعت پر عمل نہیں کیا سب شریعت کی خلاف ورزی کررہے تھے تو باپ کو یہ الزام دینا کہ تم شریعت کی خلاف ورزی کررہے ہو درحقیقت اس طریقہ کار کا مقصد صرف یہ ہے کہ حقیقت کو مسخ کر کے اس طرح پیش کیا جائے کہ اصل مجرم، بدمعاش معصوم بن جائے اور ایک شریف غیرت مند باپ ہی اصل ظالم نظر آئے۔

غامدی صاحب نے ممتاز قادریؒ شہید کو دہشت گرد قرار دیا ہے لیکن انہیں معلوم ہی نہیں کہ دہشت گردی کی تعریف ابھی تک طے نہیں ہوئی UNO نے گیارہ ستمبر کے بعد جو مجلس بنائی تھی وہ ابھی تک دہشت گردی کی متفقہ تعریف پر نہیں پہنچ سکی تعریف ابھی طے نہیں ہوئی لیکن UNO اور امریکہ چودہ سال سے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں مصروف ہیں۔ بعض مغربی مفکرین کی کوششوں سے جو تعریف طے شدہ ہے اس کے مطابق بھی ممتاز قادری کا عمل دہشت گردی کے دائرے میں نہیں آتا دہشت گردی کی تعریف یہ ہے:

The definition that will be used throughout this book is one that is derived from the works of Crenshaw (1983), Hoffman (2006), and Claridge (1996),

Terrorism involves political aims and motives. It is violent or threatens violence. It is designed to generate fear in a target audience that extends beyond the immediate victims of the violence. The violence is conducted by an identifiable organization. The violence involves a non-state actor or actors as either the perpetrator, the victim of the violence, or both. Finally, the acts of violence are designed to create power in situations in which power previously had been lacking (i.e., the violence attempts to enhance the power base of the organization undertaking the actions). [J.M. LUTZ Global Terrorism London Routledge 2008 -page9]

شہید ممتاز قادریؒ نے ایسا کوئی عمل نہیں کیا جو دہشت گردی کے معیار پر پورا اترتا ہو۔ پولیس مقابلوں میں جو بے گناہ یا گناہ گار مار دیے جاتے ہیں ان مقابلوں میں غیر قانونی طریقوں سے مجرموں، ملزموں اور بے گناہوں کو قتل کرنے والے پولیس والوں کے خلاف آج تک دہشت گردی کا مقدمہ درج نہیں کیا گیا۔ پر امن شہریوں کو پولیس مقابلے میں مارنے والے کبھی دہشت گرد قرار نہیں پائے۔ حکومت عدالت نے کبھی پولیس والوں کو دہشت گردی کا ذمہ دار قرار نہیں دیا تو اس اصول کے تحت ممتاز قادری کا عمل کیسے دہشت گردی کے دائرے میں آسکتا ہے؟

بے شمار موقر شہادتوں کے مطابق سلمان تاثیر نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا تھا۔ ممتاز عالم دین حنیف قریشی صاحب کی شہادت کے مطابق تمام مکاتب فکر کے پاکستان کے پانچ سو علماء نے سلمان تاثیر کے خلاف توہین رسالت کا فتویٰ بھی جاری کیا تھا۔ دنیا اخبار میں مفتی منیب الرحمان کے ایک کالم کے مطابق بعض علماء نے سلمان تاثیر کے قتل کا فتویٰ بھی صادر کیا تھا[مفتی منیب الرحمان زاویہ نظر روزنامہ دنیا مورخہ ۵/مارچ ۲۰۱۶ء کراچی، لاہور] پاکستانی ریاست کی لاتعلقی آئین کی بے بسی دیکھ کر اور مسئلہ توہین رسالت پر حنیف قریشی صاحب کی تقریر سن کر پانچ سو علماء کا فتویٰ پڑھ کر اور بعض علماء کی جانب سے قتل کا فتویٰ جاری ہونے کے بعد ہی ممتاز قادری شہید نے سلمان تاثیر کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا__

شہید ممتاز قادریؒ کا عمل امت کے اجماع، تعامل ، تواتر، تسلسل اور تمام مکاتب فکر کے علمائے دین کے متفقہ فتوے، حنیف قریشی صاحب کی تقریر اور پانچ سو علماء کرام کے فتوے کی اتباع میں تھا__ شہید ممتاز قادری کو ایمانی قوت حنیف قریشی صاحب کی خطابت اور امت کی اجتماعی علمیت پر مبنی تمام مکاتب فکر کے علمائے دین کے متفقہ فتوے سے حاصل ہوئی ۔ ریاست نے علماء کے فتوے کے مطابق عمل کرنے علما کے فتوے کی تحقیق کرنے دلائل کو پرکھنے اس فتوے کو غلط قرار دینے یا اس فتوے کی روشنی میں سلمان تاثیر کو عہدے سے معطل کرنے، برطرف کرنے، ان کے خلاف تحقیقاتی کمیشن قائم کر کے توہین رسالت کے الزام کی تحقیقات کرنے، ان کو گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تو شہید ممتاز قادری نے اپنے ایمان سے وہ کام کیا جو سیکولر آئین کے تحت ریاست اور اس کی عدالت کو کرنا چاہیے تھا۔ پاکستانی ریاست کا یہ

رویہ اتفاقی، حادثاتی نہیں ہے۔ یہ امریکا کی سازش، نواز شریف کی سیاست یا فوج کے دباؤ پر کیا گیا فیصلہ نہیں ہے جیسا کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے۔ یہ درست ہے کہ فاطمہ بھٹو، آصفہ بھٹو، بختاور بھٹو اور ملالہ یوسف زئی مریم نواز شریف کے لیے مستقبل کے ہولناک خطرات ہیں لہٰذا ان کے مقابلے پر مسلم لیگ اپنے لبرل ازم کا ثبوت بھی عالمی قوتوں کو پیش کرنا چاہتی ہے مگر اس کے باوجود یہ تنہا مسلم لیگ کا فیصلہ نہیں۔ یہ جدید ریاست کی لادینیت کا تقاضہ ہے۔ کیونکہ جدید ریاست منشور انسانی حقوق کے تحت آئین بناتی ہے اور اس آئین کے تحت خدا کی حاکمیت قائم ہی نہیں ہوسکتی [UCHR] یوروپین کورٹ آف ہیومن رائٹس نے رفاہ پارٹی کے نجم الدین اربکان کی حکومت کی ترکی سپریم کورٹ کے ایک حکم کے ذریعے برطرفی کے خلاف رفاہ کی اپیل کو مسترد کرتے ہوئے جو فیصلہ لکھا ہے اس میں تمام تفصیل موجود ہے یہ فیصلہ [UCHR] Rafah vs Turkey کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔ اس فیصلے میں واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ کسی ریاست میں خدا کی حاکمیت کے قیام کا مطلب ہے بندوں کی حاکمیت اور مساوات کے اصولوں کا خاتمہ جو جمہوریت کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے لہٰذا جمہوری عمل سے منتخب ہونے والوں کو جمہوریت کے مقاصد، اہداف کے خلاف عمل کرنے کی آزادی نہیں دی جاسکتی یعنی جمہوریت کسی بھی مذہب کی حاکمیت قائم ہی نہیں کرسکتی یہ منشور انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے لہٰذا تمہاری حکومت کی برطرفی منشور انسانی حقوق کی شقوں اور آزادی کے عقیدے کے مطابق بالکل جائز ہے۔ تمہیں آزادی کے عقیدے کے تحت ایک لادینی، کافر حکومت قائم کرنے کی اجازت ہے مگر کسی قسم کی مذہبی حکومت قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے خواہ وہ اسلامی ہو یا عیسائی یا یہودی۔

۱۹۵۳ء میں جب تمام اسلامی جماعتوں [All Pakistan Muslim Parties Convention] نے قادیانی تحریک کے موقع پر سر ظفر اللہ جان کی برطرفی اور قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تو وفاقی حکومت نے ان تمام مطالبات کو مسترد کردیا۔ اور کہا کہ احمدیوں یا کسی اور فرقے کو اقلیتی جماعت قرار نہیں دیا جاسکتا نہ کسی احمدی کو کلیدی عہدے سے ہٹایا جائے گا۔ [عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی جدیدیت، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۷ء، ص ۲۴۲]

۱۹۶۴ء میں پاکستانی ریاست کی منافقانہ حکمت عملی گومگو کے رویے کی حقیقی نقشہ کشی کرتے ہوئے عزیز احمد لکھتے ہیں:

۱۹۵۳ء میں یہ پُر فساد مقابلہ (مراد احمدیوں کے خلاف تحریک ختم نبوت اور پنجاب میں مارشل لاء کا نفاذ ہے) ایک ایسی حکومت کے درمیان، جو مغربی لادینی تصور کو مبنی بر حقیقت سمجھ رہی تھی اور روایاتی اور اساسیت پسند علماء کے مابین جو پاکستان میں ایک مذہبی ریاست دیکھنے کے متمنی تھے، وقوع پذیر ہوا۔ اس کی جامع و دقیق تحلیل جج محمد منیر اور جج ایم آر کیانی نے اپنی رپورٹ میں پیش کی ہے جو عام طور پر "منیر رپورٹ" سے موسوم کی جاتی ہے۔ اس رپورٹ میں موجودہ دور میں ایک "اسلامی ریاست" کے تصور کے مسئلہ اور الجھن کو بڑی سچائی اور ایمان داری سے پیش کیا گیا ہے۔ اگر پاکستان، علماء یا اساسیت پسندوں کی تعریف کے تحت ایک اسلامی ریاست کہا جاسکتا ہے تو جدید معنوں میں اسے جمہوریت نہیں کہا جاسکتا ہے۔ تکنیکی لحاظ سے اگر اختیار اعلیٰ خدا کو سونپ دیا جاتا ہے تو پھر وہ مقتدر و بااختیار ریاست نہیں کہی جاسکتی ہے۔ [عزیز احمد، ص ۳۴۴ محولہ بالا] رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ اسلام اور جدید ریاست کے مابین مصالحت آمیز طرز عمل درست نہیں لہٰذا ایک فیصلہ کرلیا جائے ریاست یکسو ہو جائے "پاکستان ششں و پنج کا شکار ہوگیا ہے یہ انتشار مسلسل قائم رہے گا اور بار بار ایسے مواقع پیدا ہوتے رہیں گے تاوقتیکہ ہمارے قائدین منزل کا صحیح تصور اور اس تک پہنچنے کے ذرائع حاصل نہیں کرلیتے [عزیز احمد، ص ۳۴۵ محولہ بالا] رپورٹ میں واضح کردیا گیا تھا کہ اسلام عصری مسائل کو حل نہیں کرسکتا اسلام لوگوں کا ذاتی معاملہ ہے اسے ریاست و حکومت میں داخل کرنے کی کوشش کی گئی تو ۱۹۵۳ء جیسے حادثے وقوع پذیر ہوتے رہیں گے سیاست داں لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے اور مسلمان رکھنے کی کوشش نہ کریں جسٹس منیر اور جسٹس ایم آر کیانی جدید مغربی فلسفے اور جدید ریاست سے بخوبی واقف تھے اصلاً وہ جان لاک کے تصور ریاست کی ترجمانی کررہے تھے جس کا ماخذ Two treatise of Government ہے۔

۲۰۱۶ء میں پاکستانی ریاست نے اسی طرح شہید ممتاز قادری کو پھانسی دینے کے لیے عجلت کا مظاہرہ کیا جس طرح ۱۹۵۳ء میں مولانا مودودی کو پھانسی کی سزا کا حکم عجلت میں سنایا گیا تھا۔ شہباز شریف نے وعدہ کیا کہ پھانسی نہیں ہوگی مگر پھانسی دے دی گئی یعنی ریاست کی اصل ماہیت ۲۰۱۶ء میں بھی وہی ہے جو ۱۹۵۳ء میں تھی فرق صرف یہ ہوا کہ ۱۹۵۳ء میں ریاستی حکمران جھوٹ نہیں بولتے تھے نہ علماء سے جھوٹے وعدہ کرتے تھے وہ سچے مخلص راسخ العقیدہ لبرل تھے منافق نہیں تھے۔

اصولاً یہ انسداد دہشت گردی کی عدالت، عدالت عظمیٰ اور حکومت کی ذمہ داری تھی کہ وہ امت مسلمہ کی اجماعی علمیت کو، حنیف قریشی صاحب اور پانچ سو علماء کو اور تمام اسلامی مکاتب فکر کے متفقہ فتوے کی بنیاد پر تمام مدارس اسلامیہ کو اعانت مجرمانہ کے جرم میں اس مقدمہ قتل میں نامزد کرتی عدالت عظمیٰ نے اسلامی علمیت کے حامل ان

اداروں، اجماع امت اور علماء کے فتوے کو مقدمہ کا حصہ نہ بنا کر اسلامی شریعت پر مبنی علمیت کو نظر انداز کر کے عجلت اور روا روی میں ممتاز قادری کی شہادت کا فیصلہ سنا دیا اس فیصلہ پر فوری نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ امت کا اجماع ہے کہ شاتم رسول کو قتل کرنے والے کو قصاص میں قتل نہیں کیا جا سکتا۔

ایک اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ اگر عدالت کے کسی جج کی توہین کا ارتکاب کسی فرد کی جانب سے ہو تو توہین عدالت کے اس مقدمے کی سماعت صرف اور صرف وہی جج کرتا ہے دوسرا کوئی جج توہین کے مقدمے کی سماعت نہیں کرتا۔ جس عدالت کے جج کی توہین ہوئی ہو صرف اس کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ توہین کے مرتکب فرد کو معاف کر دے ایک عام، دنیاوی عدالت کی یہ شان ہے تو شان رسالتؐ میں گستاخی اور توہین کا ارتکاب کرنے والوں کو معاف کرنے کا اختیار نہ عدالت کے پاس ہے اور نہ حکمرانوں کے پاس اور توہین کے مجرم کی معافی پر مشتمل ایسا ہر قانون اسلامی عدل کے اصولوں کے منافی ہے ویسے بھی رسالت مآبؐ امتناع نظیر ہیں لہٰذا توہین کے مرتکب کو اس مقدمے میں سزا دینا اس لئے ضروری ہے کہ رسالت مآبؐ نے اپنی زندگی میں کئی مواقع پر توہین کے مرتکب کے لئے اس سزا کا اطلاق کیا اور اگر کسی صحابی نے از خود توہین رسالت پر کسی کو قتل کر دیا تو رسالت مآبؐ نے اس واقعے کی تحقیق کرنے کے بعد اس عمل کی تصدیق، تائید اور تصویب فرما دی۔ ذات رسالت مآبؐ کی سنت اس امت کے لئے قیامت تک حجت ہے اور اس سنت کے تحت شاتم رسول کے قاتل کو قصاص میں قتل نہیں کیا جا سکتا۔ برنارڈ لیوس جو اسلام، مشرق وسطیٰ اور سلطنت و خلافت عثمانیہ پر سند کا درجہ رکھتا ہے اس نے اپنی اکثر کتابوں میں بار بار یہ بات وضاحت اور تکرار کے ساتھ لکھی ہے کہ تمام اقلیتوں کو مسلمانوں کی خلافت، مملکت، سلطنت میں مکمل امان حاصل تھی لیکن اگر کوئی اقلیت یا ان کا کوئی فرد ذات رسالت مآبؐ کی توہین کرتی تو مسلمان خلیفہ اور عوام اس کو بالکل برداشت نہیں کرتے تھے اقلیتیں اس معاملے میں صحیح طرز عمل کا مظاہرہ کرتیں تو خلافت عثمانیہ میں انہیں ہر طرح کی آزادی اور سہولیات میسر رہتیں۔ توہین رسالتؐ کے مسئلے میں خلیفہ اور مسلمانوں کی حد درجہ حساسیت کی وجہ یہ تھی کہ ذات رسالت مآبؐ کی وجہ سے ہی ذمیوں کا خصوصی خیال رکھنا خلافت کی بنیادی ذمہ داری تھی اگر اس ذات کی شان ہی محفوظ نہیں ہے تو ذمیوں کی امان کیسے باقی رہ سکتی ہے۔ خلافت عثمانیہ میں فقہ حنفی رائج تھی اس کے باوجود حنفی فقہ کے تحت خلیفہ، قاضی توہین رسالتؐ پر سخت ترین سزا نافذ کر دیتے تھے یہ امت کا تواتر، تعامل اور تسلسل ہے اس عمل میں امت نے کبھی کوتاہی نہیں کی یہ ایمان کا مسئلہ ہے۔

ہمارے پاکستانی لبرل دانش ور اور جاوید احمد غامدی صاحب اس امت کو بار بار رواداری اور صبر تحمل کا درس دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ کبھی مغربی دانش وروں اور مستشرقین کی تحقیقات کا مطالعہ کریں اسلام پر مغرب میں سب سے بڑی سند برنارڈ لیوس ہے اس کی کتاب Islam in Europe پڑھ لی جائے تو اقلیتوں سے خلافت عثمانیہ کے بے مثال سلوک کا تذکرہ وہاں مل جائے گا اس صدی کے سب سے بڑے سیاسی فلسفی جان رالز نے اپنی آخری کتاب Law of The People میں خلافت عثمانیہ اور مسلمانوں کے یہاں اقلیتوں سے بہترین سلوک کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے مائیکل مین نے اپنی معرکہ آراء کتاب The Dark Side of Democracy میں لکھا ہے کی مسلمانوں کا غیر مسلموں سے سلوک کتنا بہترین تھا صدر بش کی کچن کیبنٹ کے رکن اور نیوز ویک وٹائم کے سابق مدیر فرید زکریا نے بھی اپنی کتاب The Future of Freedom میں مسلمانوں کی جانب سے غیر مسلموں کے سلوک کا نہایت عمدہ طریقے سے ذکر کیا ہے۔ Lamberd J.E.B کی کتاب Fundamentalism, Betrayal of Tradition میں خلافت اسلامیہ کے دور میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات پر مبنی بے شمار تاریخی حوالوں کا خوبصورت انتخاب ہے لہٰذا پاکستانی حکومت کو اور لبرل سیکولر طبقات کو اقلیتوں کے بارے میں زیادہ متوحش ہونے کی ضرورت نہیں اسلام نے اپنی حاکمیت کے زمانے میں ان سے بے مثال سلوک کیا اور اگر آج کہیں اقلیتوں کو اسلامی معاشروں میں کہیں کوئی مشکل درپیش ہے تو برنارڈ لیوس کی تحقیق کے مطابق اس کا واحد سبب منشور انسانی حقوق کی مسلط کردہ جمہوریت اور مساوات ہے جب تک اقلیتیں ذمی کے طور پر رہیں اس امت نے رسالت مآبؐ کی آخری وصیت کے مطابق ان ذمیوں کا ہر طرح سے تحفظ کیا اور کبھی انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔ جب اسلامی شریعت کا خاتمہ کر کے جمہوریت اور مساوات کی مغربی شریعت نافذ کر دی گئی تو اقلیتوں کا ذمہ بھی ختم ہو گیا۔

سوال یہ ہے کہ اقلیتوں پر بعض جگہ زیادتیوں کا سبب جمہوریت اور مساوات کیوں ہے اس کے لئے برنارڈ لیوس کی کتابوں کی طرف رجوع کیجئے۔ برما میں بدھوں کی جانب سے مسلمانوں پر ظلم وستم کا اصل سبب بھی بدھ مت نہیں برما میں جمہوریت اور مساوات کا اصول ہے برما کے بدھوں کو خطرہ ہے کہ مسلمانوں کی آبادی اسی تیزی سے بڑھتی رہی تو وہ اقلیت بن جائیں گے اور مسلمان جمہوریت کی وجہ سے ان کے ملک پر قابض ہو جائیں گے اگر بادشاہت رہتی تو یہ مسئلہ ہرگز پیدا نہ ہوتا لبنان، شام اور عراق میں عیسائی مسلم کشمکش، دروزی سنی، اور شیعہ سنی کشمکش کا سبب بھی جمہوریت ہے اگر جمہوریت مساوات کا خاتمہ کر کے وہاں بادشاہت قائم کر دی جاتی تو خون ریزی کا خاتمہ ہو سکتا تھا عراق میں جب تک صدام کی حکومت تھی عراقی شیعہ صدام کے ساتھ تھے عراق ایران جنگ میں بھی وہ صدام کا ساتھ دیتے رہے۔

ایک اہم نکتہ اقلیتوں سے متعلق یہ بھی ہے کہ منشور انسانی حقوق میں اقلیتوں سے مراد اصلاً مذہبی اقلیتیں نہیں بلکہ سرمایہ دارانہ اقلیت [Capital Minority] مراد ہے کیونکہ مساوات کے عقیدے کے نتیجے میں تمام اقلیتیں تمام مذاہب محض علامتی طور پر باقی رہ جاتے ہیں اصل اقلیت جو ہمیشہ اکثریت کے رحم وکرم پر ہوتی ہے اور ہمیشہ شدید خطرے اور مصیبتوں کے نرغے میں رہتی ہے وہ سرمایہ دارانہ اقلیت ہے اس نقطہ نظر کے تاریخی، واقعاتی دلائل کے لئے عالمی بینک کی سابق نائب صدر ایمی چوا کی کتاب The World On Fire کا مطالعہ کیجئے جس میں اس نے دنیا بھر میں موجود سرمایہ دارانہ اقلیتوں کی تاریخ اور ان پر اکثریت کی جانب سے کیے گئے مظالم کی تاریخ بیان کی ہے مثلاً امیر کبیر اقلیتوں کے کارخانوں اور مال کو قومی ملکیت میں لے کر قومیا لینا [Nationalization] انسانی حقوق کے منشور میں جس اقلیت کا تحفظ مطلوب ہے وہ صرف اور صرف سرمایہ دارانہ اقلیت ہے جسے ہمیشہ اکثریت کی ممکنہ آمریت سے خطرہ رہتا ہے۔ اسی لیے سرمایہ قوم پرست جمہوری ریاست میں خود کو سب سے زیادہ محفوظ تصور کرتا ہے۔

علماء اور دینی مدارس کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اس مقدمے میں خود فریق بننے کی استدعا کرتے اور عدالت سے کہتے کہ ممتاز قادری کو نہیں صرف ہم پانچ سو علماء کو نہیں بلکہ اس امت کی علمیت کو، اس کی تاریخ کو، آثار صحابہ کو، خیر القرون کے تمام فیصلوں کو اور تمام مکاتب فکر کو بھی پھانسی کے پھندے پر لٹکا دو ہم اس زمین پر زندگی کو پسند ہی نہیں کرتے جس زمین پر اسلامی مملکت کا گورنر کھلم کھلا، بار بار رسول ؐ کی توہین کرے اور اس توہین پر ریاست، عدالت، پارلیمنٹ مقتدرہ خاموش رہے اور اگر کوئی عاشق رسول قتل کر دے تو اسے معاف کرنے کے بجائے اسے قصاص میں قتل کر دیا جائے۔ اس امت کی اجتماعی روایت یہ ہے کہ توہین رسالت کے مجرم کو قتل کرنے کے لئے ہمیشہ اور ہر وقت کسی عدالتی کارروائی کی ضرورت نہیں عدالتی کارروائی ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی ___ عدالتی کارروائی امر لازمی نہیں ہے۔ رسالت مآب ؐ کی سنت اس معاملے میں حرف آخر ہے عدالت شریعت کے معاملے میں مداخلت نہیں کر سکتی۔

اسلام کا قانون کانٹ کے فلسفے سے نہیں نکلا ہے اس کی بنیاد مغرب کے تصورات فطرت وعقلیت پر نہیں ہے یہ وحی الٰہی اور سنت محبوب الٰہی سے اخذ کردہ قانون ہے اس کا صغریٰ کبریٰ، اس کی ماہیت، حقیقت اس کی حرکیات سب کچھ مغرب کے انسانی قوانین سے یکسر مختلف ہے جب تک آپ فلسفۂ مغرب، فلسفۂ انسانی حقوق اور فلسفۂ آزادی کے منہاج میں کھڑے ہیں آپ کو یہ مباحث سمجھ میں نہیں آسکتے یہ ایمان وعقیدے کا مسئلہ ہے۔ جس طرح مغرب پر ایمان لانے والے کو مغرب کی ہر چیز فطری عقلی حقیقی نظر آتی ہے بالکل اسی طرح اسلام پر ایمان لانے والے کو اسلام کا ہر حکم عقلی فطری حقیقی نظر آتا ہے لہٰذا مسلمانوں کو از سر نو اسلام پر ایمان لانے کی ضرورت ہے۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ ۲۰۱۱ء میں جب اسلامی جماعتوں کی کل جماعتی کانفرنس میں اجماع امت، اسلامی تاریخ، اسلامی علمیت اور کلیت کی بنیاد پر یہ بات طے ہوگئی کہ شتم رسول جرم ہے اور اس کی سزا قتل ہے اور ممتاز عالم دین مولانا مفتی محمد خان قادری صاحب نے اپنے خطاب میں واضح کر دیا کہ

اسلامی قانون کی رو سے اگر کوئی شخص توہین رسالت کا مرتکب ہوتا ہے حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر چھینٹے اڑاتا ہے اور سننے والا اپنے جذبہ ایمانی کے سبب اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکتا اور اسے قتل کر دیتا ہے تو جب ثابت ہو جائے کہ ہاں توہین رسالت ہوئی تھی تو قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور مقتول کا خون رائیگاں ہوگا۔ [ندائے خلافت، ۲۴/اکتوبر ۲۰۱۱ ص ۴]

تو اس علمیت کے نفوذ ونفاذ کے لیے دینی جماعتوں نے کوئی ہمہ گیر جدوجہد کیوں نہیں کی اور ریاست حکومت پارلیمنٹ اور عدالت کو کیوں نہیں بتایا کہ شاتم رسول کو قتل کرنا ایک مسلمان کا حق [Right] نہیں فرض [Duty] ہے یہ حماقت نہیں اضطراری اور جذباتی عمل نہیں اجتہادی مسئلہ نہیں ہر فرد کی صواب دید پر منحصر قضیہ نہیں امت کی اجماعی علمیت کا متفقہ فیصلہ ہے اور اجماع امت اور تعامل تواتر امت سے ثابت ہے اس کے سامنے کسی دوسرے قانون اور اصول کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا اور پاکستانی ریاست کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ شریعت کے اس حکم کو تسلیم کرتی ہے یا نہیں کیوں کہ آئین کی بعض دفعات شریعت کی بالادستی کو واضح طور پر تسلیم کرتی ہیں لہٰذا ان دفعات کی روشنی میں ریاست خود یا ریاست کی عدالت اور شریعت کورٹ فیصلہ کر دے کہ اس ملک میں شریعت بالا دست ہے یا منشور انسانی حقوق کے تحت شریعت کے منافی قوانین کو بالادستی حاصل ہے تاکہ اس التباس کا خاتمہ ہو جائے جو ۱۹۵۳ء سے جاری وساری ہے اور دوٹوک فیصلے کا منتظر ہے اس فیصلے کے بعد ہی پاکستانی ریاست کی اصل حقیقت کا اندازہ ہوسکتا تھا مگر دینی جماعتوں نے اس سنہری موقع کو ضائع کر دیا اس موقع پر وفاقی شرعی عدالت کے ذریعے چند بنیادی سوالات پر بھی شرعی نقطۂ نظر پیش کیا جاسکتا تھا تاکہ ان تاریخی التباسات کو منطقی انجام تک پہنچا دیا جاتا جو گزشتہ سو برس سے اسلامی قوتوں کی سمت سفر کو متعین نہیں ہونے دیتے اور فکری انتشار کا سبب ہیں۔

مثلاً شرعی عدالت سے پوچھا جاتا کہ وہ اسلامی ریاست اور وہ حاکم وہ حکومت اور وہ نظام اقتدار جو توہین رسالت کے مجرم اور ایسے مجرم کو جو اسلامی ملک کا گورنر بھی ہو خود سزا دینے میں دانستہ غفلت کا مرتکب ہو تو اس کی شریعت میں کیا سزا ہے کیا ایسے نظام اور اس نظام کے کارپرداز حکمرانوں نے کفر بواح کا ارتکاب کیا ہے یا نہیں؟

وہ عدالت سے پوچھتے کہ اگر سپریم کورٹ کے جج جو دینی احکامات سے ناواقف ہیں اور صرف سیکولر قوانین کے ماہر ہیں تو یہ عدالت اگر کسی شرعی مسئلے کے سلسلے میں غلط فیصلہ کر رہی ہے تو اس کا حکم کیا ہے؟ کیا ریاست یا ریاست کے اعلیٰ سرکاری حکام کی جانب سے توہین رسالت کا جرم اگر ثابت ہو جائے تو کیا حیلہ شرعی سے یہ کفر بواح کے دائرے میں نہیں آئے گا؟ حکمراں سے کفر بواح کا ارتکاب صرف اس کا ذاتی فعل سمجھا جائے گا یا اجتماعی، ریاستی یا حکومتی فعل بھی؟ کیوں کہ جدید ریاست میں طاقت کے کئی دائرے ہوتے ہیں کس دائرے میں طاقت زیادہ ہے اس کا پتہ نہیں کسی ایک حاکم کے فعل کی ذمہ داری پوری ریاست پر عائد نہیں ہوتی تو اس صورت میں حکم کیا ہوگا؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ایک حکمراں نے کفر بواح کا ارتکاب کیا ہے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اگر ریاست نے ارتکاب کیا ہے تو کیا کفر بواح کے باعث ریاست کے خلاف خروج کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

وہ عدالت سے یہ بھی پوچھتے کہ ایک آئینی دستوری جمہوری ریاست میں بادشاہ، خلیفہ، سلطان، حاکم نہیں ہوتے حکومت شخصی نہیں اداراتی ہوتی ہے طاقت، قوت، اقتدار، اختیار کا مرکز معلوم ہی نہیں ہوتا تو خروج کس کے خلاف کیا جائے گا؟ صوبائی حکومت، مقامی حکومت، وفاقی حکومت، منتخب حکومت، غیر منتخب لیکن مستقل حکومت مثلاً انتظامیہ عدلیہ وغیرہ وغیرہ؟ کیا خروج اداروں کے خلاف ہوسکتا ہے یا صرف فرد کے خلاف ہوتا ہے؟ اگر خروج اداروں یا ادارے کے نمائندگان کے خلاف نہیں ہوسکتا تو کیا عہد حاضر میں خروج ساقط ہو جائے گا کیوں کہ عہد حاضر کی ریاست کی طاقت کا سرچشمہ تو معلوم ہی نہیں۔ مثلاً ریمنڈ ڈیوس کے معاملے میں یہ معلوم ہی نہیں ہوسکا کہ ریمنڈ ڈیوس کی رہائی کا فیصلہ کس نے کیا وفاقی حکومت نے، صوبائی حکومت نے، وزارت داخلہ نے، وزارت خارجہ نے یا وزارت دفاع نے یا شرعی قانون نے، یا مقتولین کے ورثاء نے یا پنجاب کی عدالت کے جج نے، یا اس بھاری رقم نے جو امریکہ نے مہیا کی۔ کیونکہ جدید جمہوری ریاست میں طاقت کا سرچشمہ مخفی ہوتا ہے یہاں فرد Subject غیر حاضر ہوتا ہے ریاست De- Personilized ہوتی ہے صرف ادارے موجود ہوتے ہیں جن میں طاقت کے مراکز تقسیم ہوتے ہیں مگر طاقت کا حقیقی مرکز غیر مرئی ہوتا ہے۔ جدید ریاست میں اصل طاقت سرمایہ [Capital] کے پاس ہے مگر سرمایہ کے خلاف خروج نہیں کیا جاسکتا تو پھر اس خروج کے متبادل طریقے کیا ہوں گے؟ یہ سوالات اگر پوچھے جائیں تو جدید ریاست کی ماہیت، حقیقت، اصلیت دینی مکاتب فکر پر آشکار ہو جاتی جس کے بارے میں بہت کچھ خوش فہمیاں ابھی تک پائی جاتی ہیں۔

شرعی عدالت سے یہ بھی پوچھنا چاہیے تھا کہ اگر جمہوریت کے فلسفے کے تحت عوام کو طاقت کا سرچشمہ سمجھ لیا جائے تو عوامی نمائندوں اور منتخب و غیر منتخب حکومتوں کے بجائے اصلاً جمہوری ریاست میں خروج تو عوام ہی کے خلاف ہونا چاہیے۔ کیوں کہ انہوں نے ایسے نمائندے چنے اور ایسی حکومت قائم کی جو کفر بواح کی مرتکب ہوئی تو کیا ریاست کے لوگوں یعنی عوام [Public] کے خلاف خروج کیا جاسکتا ہے؟ اگر خروج لوگوں کے خلاف کیا جاسکتا ہے تو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ ریاست کے کس کس شہری نے موجودہ حکمرانوں کو ہی ووٹ ڈالے تھے کیونکہ ووٹ تو خفیہ ہوتے ہیں لہٰذا یہ پتہ چلانا ممکن ہی نہیں ہے کہ کس نے کس کو ووٹ دیے اس صورت میں کیا خروج ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟ کیا خروج کے نظریے پر عمل کے لیے جمہوری حکومت ختم کر کے شخصی حکومت کے قیام کی کوشش کی جائے تا کہ مستقبل میں خروج کا احیاء ہو سکے یا اس وقت تک صرف آئینی احتجاجی جدوجہد پر اکتفا کیا جائے۔

عدالت سے یہ بھی پوچھا جاتا کہ انفرادی کفر بواح کا ارتکاب کرنے والوں اور ریاست کی جانب سے کفر بواح کا ارتکاب کرنے والوں کے بارے میں صرف خاموش رہ کر دل میں افسوس کرنا یا صرف اخبارات میں بیانات دینے پر اکتفا کرنا شریعت کی نظر میں کس درجے کا جرم ہے؟ یہ کہا جا رہا ہے کہ ممتاز قادری کو دہشت گردی کے الزام میں سزائے موت ہوئی ہے لہٰذا دہشت گرد کی نماز جنازہ پڑھنا اس کے لیے دعائے خیر کرنا اس کے لیے لاکھوں کی تعداد میں نکلنے والے سب دہشت گرد ہیں تو کیا رسول کے عاشق سے عشق رکھنے والوں کو دہشت گرد تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ شرعی عدالت سے یہ بھی پوچھا جانا چاہیے۔ علماء کرام ان سوالات پر خود غور کریں تو انہیں معلوم ہو ہی جائے گا کہ وہ اکیسویں صدی میں کہاں کھڑے ہیں وہ جدید ریاست کے فلسفے سے لاتعلق رہ کر اس میں اسلام کی پیوند کاری کی کوشش کر رہے ہیں وہ اس پیوند کاری [Crafting] کا انجام ہے جو ان کے سامنے آچکا ہے۔ علماء کرام اگر ۱۹۵۳ء میں چیف جسٹس منیر کمیشن کی رپورٹ پر سنجیدگی سے مباحثہ کرتے تو وہ ایک متبادل حکمت عملی تیار کر سکتے تھے مگر ان کا ایمان یقین کی حد تک مستحکم ہے کہ جدید ریاست ہی عین اسلامی شریعت کا تقاضہ ہے۔ جنرل ضیاء الحق سے لے کر سوڈان، انڈونیشیا، ملائشیا، بنگلہ دیش

،ایران اور برونائی میں اسلامی علمیت، معاشرت، شخصیت، انفرادیت، روحانیت، تہذیب، کے غلبے کے بغیر صرف اور صرف اسلامی قوانین کے نفاذ کی حکمت عملی بری طرح ناکام ہورہی ہے ادخلو فی السلم کافہ دین کا حکم ہے کہ دین میں پورے پورے داخل ہو جاؤ مگر اس اصول کے خلاف پیوند کاری اسلام کے لئے مہلک خطرات تخلیق کررہی ہے ۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاءالحق کی جانب سے اسلامی قوانین نافذ کرنے کے باوجود چالیس سال کے عرصے میں کسی ایک شخص کو بھی حدود، تعزیر، توہین رسالت کے تحت سزا نہیں دی جاسکی۔ ایلوے کے پودے نیم کے درخت میں انگور کی قلم لگانے اور کریلے کی بیل میں گڑ کا پانی ڈالنے سے مٹھاس پیدا نہیں ہوسکتی۔ پاکستانی سیاسی آمر کے سیاسی مقاصد نے عجلت میں دین کی جو پیوندکاری کی اس نے اسلام کو ہی استہزاء کا نشانہ بنادیا ہے۔ جنرل ضیاءالحق نے فیڈرل شریعت کورٹ کے نام پر شریعت کے ساتھ جو مذاق کیا وہ نہایت شرم ناک ہے۔ آئین میں شریعت کورٹ کے چیف جسٹس اور جج کی شرائط ملازمت اسلام کے نام پر بدنما ترین داغ ہیں ان داغوں کو مٹا کر اپنی غلطیوں کا اعتراف کرکے نئی حکمت عملی اختیار کئے بغیر اسلام کبھی طاقت ور نہیں ہوگا بلکہ مسلسل پسپا ہوتا رہے گا ۱۹۸۰ء سے ۲۰۱۶ء تک پاکستان میں اسلامی قوانین کی عبرت ناک شکست اس کا ثبوت ہے کہ دو تصورات خیر ایک ساتھ نہیں چل سکتے دونوں میں سے ایک تصور خیر دوسرے کو اپنے اندر تحلیل کرلے گا اسلامی قوانین ناکام ہیں سیکولر قوانین کامیاب ہیں کیونکہ اسلامی قوانین کو اس ملک کے سیکولر لوگ علمیت ہی نہیں سمجھتے۔

مفتی منیب الرحمان صاحب نے کہا کہ شہباز شریف نے یقین دہانی کرائی تھی کہ ممتاز قادری کو پھانسی نہیں دی جائے گی لہٰذا ہم نے حکمران کے وعدے کا اعتبار کیا ہمیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ اچانک انھیں پھانسی دے دی جائے گی ہم اندھیرے میں رہے کیا ایک حکمران کے وعدے پر اعتبار کرلینا اور عدالت کے حکم کو غیر موثر سمجھنا کیا اسلامی رویہ ہے؟ شرعی عدالت میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آنا چاہیے تھا کہ اگر ملک اسلامی ہے عدالت اسلامی ہے تو عدالت کا حکم آخری فیصلہ سمجھا جائے گا یا حکمران کے وعدے کو عدالت کے حکم پر برتری حاصل رہے گی کیا جمہوری حکومت میں شخصی فیصلے بھی ہوسکتے ہیں؟ کیا شہباز شریف ملک کی سب سے بڑی عدالت سے زیادہ طاقت ور ہیں کہ ان کے وعدے پر یقین کیا گیا؟ شہباز شریف نے وعدہ کرکے سپریم کورٹ کی توہین کی یا نہیں؟ جو شخص سپریم کورٹ کی توہین کرے وہ اقتدار میں رہ سکتا ہے یا نہیں؟ سپریم کورٹ نے اپنی توہین پر وزیر اعظم گیلانی کو برطرف کردیا تھا تو ایک صوبے کے وزیر اعلیٰ کو اس توہین پر کیوں برطرف نہیں کیا جارہا؟ کیا توہین عدالت کا قانون بھی امتیازی [Discriminatry] ہوسکتا ہے؟ شرعی عدالت میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آنا چاہیے تھا۔

یہ کہا جارہا ہے کہ لبرل ڈسکورس میں سلمان تاثیر اور آسیہ بی بی نے آزادی اظہار رائے کے بنیادی حق کے تحت رسول کی توہین کرکے اپنے حق کا اظہار کیا مگر ممتاز قادری صاحب نے جس آزادی رائے کا اظہار کرکے تاثیر کو قتل کیا لبرل ڈسکورس اور ہیومن رائٹس فریم ورک میں اس آزادی کی گنجائش نہیں ہے توہین رسالت کی آزادی ہے توہین رسالت کرنے والے کی آزادی چھیننے کی آزادی نہیں ہے ممتاز قادری صاحب نے آزادی کی مذہبی قدر [Religious value of Freedom] پر حملہ کیا لہٰذا مذہب کے دفاع کے لیے شہید ممتاز قادری کو پھانسی دی گئی ہے کیا اسلامی تناظر میں یہ بات درست ہے؟ کیا آزادی اسلام میں عقیدہ، اصول اور قدر [Value] ہے یا صرف صلاحیت Ability ہے اسلام کیا کوئی مذہب بھی آزادی کے عقیدے کو قبول نہیں کرتا جب تک اسلامی علمیت آزادی کے عقیدوں کو رد نہ کرے اسلامی جدوجہد صحیح سمت اختیار نہیں کرسکتی۔ اس مسئلے کا حل بھی شرعی عدالت سے معلوم کیا جاتا۔

شرعی عدالت سے یہ بھی پوچھا جاتا کہ پاکستانی ریاست شریعت کے قانون سے بالاتر ہے یا شریعت پاکستان کی ریاست سے بالاتر ہے؟ یا پاکستانی ریاست خود شریعت کا دوسرا نام ہے؟ اگر پاکستانی ریاست شریعت کا نام ہے تو اس کا ہر اقدام ہر کام مذہبی ہے یا غیر مذہبی اگر پاکستانی مذہبی ریاست کی مذہبی عدالت عظمیٰ نے قتل کی سزا دے دی تو اس قتل پر احتجاج کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ کیا اسلام میں آزادی ایک عقیدہ، قدر، بنیاد ہے یا آزادی ایک صلاحیت کے طور پر تسلیم کی جاتی ہے؟ عدالت سے یہ بھی پوچھا جاتا کہ شہباز شریف نے چوری چھپے جو وعدہ کیا اس کی آئینی قانونی اسلامی حیثیت کیا ہے؟ یہ سوال بھی اٹھایا جاتا کہ اس وعدے کو پریس میں کیوں نہیں لایا گیا؟ کیا شہباز شریف کا یہ وعدہ عدلیہ کی توہین نہیں ہے تو ہین عدالت کا مجرم کیا حکمران ہوسکتا ہے؟ حکمران اور عدالت میں تنازعہ پیدا ہوجائے تو حکمران عدالت کو معزول کرسکتا ہے یا عدالت حکمران کو معزول کرسکتی ہے۔ اسلامی قانون اس بارے میں کیا کہتا ہے؟

حیرت ہے کہ علماء نے شریعت عدالت سے ان مباحث پر غور وفکر کے لیے رجوع کرنے کی زحمت ہی نہیں کی کم از کم اس ادارے میں نظریاتی مباحث کے ذریعے اسلامی علمیت کی بالادستی برتری سیکولر دستور پر ثابت کی جاتی اور اس کی روشنی میں مستقبل کا لائحہ عمل تیار کیا جاتا افسوس یہ ہے کہ نظریاتی مباحثے کا اہم ترین موقع ضائع کردیا گیا۔

جماعت اسلامی کے زیر اہتمام ادارۂ نورحق میں تقریب کی صدارت کرتے ہوئے مفتی منیب الرحمان نے کہا کہ ممتاز قادری نے اپنا دینی اور مذہبی فرض ادا کیا ہے[جسارت جمعہ ۱۱ مارچ ۲۰۱۶ء ص ۱۱ بقیہ نمبر ۷] سوال یہ ہے کہ اگر ممتاز قادری نے اپنا فرض ادا کیا تو علماء نے یہ فرض ادا کیوں نہیں کیا وہ عدالت میں کیوں نہیں گئے انھوں نے عدالت اور حکومت کو کیوں نہیں بتایا کہ یہ مذہبی فرض تھا اس کو ادا کرنا حکومت کی بنیادی ذمہ داری تھی جب تم نے اسلامی حکومت کا دعویٰ اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا وعدہ__ کرنے کے باوجود یہ فرض ادا نہیں کیا تو ممتاز قادری نے یہ فرض ادا کردیا اور ہمارا فرض تمہیں یہ بتانا ہے کہ تم اسے پھانسی نہیں دے سکتے۔ حیرت ہے کہ علماء شریعت کے اس حکم کو عدالت، ریاست یا پارلیمنٹ، شرعی عدالت میں کیوں بیان نہیں کرسکے اور کیوں انتظار کرتے رہے۔

غامدی صاحب کی دلیل تو یہ ہے کہ ریاست کا فریضہ یعنی سزا__ صرف ریاست ادا کرے گی کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ جدید سیکولر ریاست جب اپنے فرائض ادا کرنے سے قاصر رہ جاتی ہے تو اس کا متبادل NGO's پیدا کرتی ہے تاکہ ریاست کی نااہلی کے باعث پیدا ہونے والے خلاء کو پر کیا جائے تاکہ لوگ سرمایہ دارانہ ریاست کے خلاف بغاوت برپا نہ کردیں ان NGO's کا فنڈ اربوں ڈالر ہے ان کی کئی اقسام ہیں مثلاً [GONGO]، [GRINGO]، [INGO] ان تنظیموں کے بارے میں معلومات کے لئے GRAHAM TAYLOR کی کتاب The New Political Sociology کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا جب سیکولر سرمایہ دارانہ ریاست بھی ریاستی نااہلی دور کرنے کے لئے متبادل طریقے اختیار کرتی ہے تو ایک لفظی حرفی آئینی اسلامی ریاست اسلامی قوانین نافذ کرنے میں ناکام ہوجائے تو اس خلاء کو پر کرنے والی انفرادی اجتماعی کوششیں بھی جائز ہیں۔

ہمارے سامنے سپریم کورٹ کے فیصلے کا مکمل متن موجود نہیں ہے مگر مفتی منیب الرحمان نے شہادت دی ہے کہ سپریم کورٹ نے دِفاع کے وکلاء کو پورے طریقے سے نہیں سُنا، نہ ان کے مؤقف اور دلائل کو عدالت نے فیصلے کا حصہ بنایا۔ سپریم کورٹ نام نہاد آزاد عدلیہ ہے۔ جب یہ جج ریٹائرمنٹ کے بعد عوام کے درمیان آئیں گے تو انہیں پتہ چلے گا کہ عاشقان رسولؐ انہیں کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ عدالت نے قانونی موشگافیوں کا سہارا لیا۔ ’’قانون انسان کے لئے ہوتا ہے انسان قانون کے لئے نہیں‘‘ [دنیا اخبار میں مفتی منیب الرحمان کا ۵ مارچ ۲۰۱۶ء کا کالم]

شہید ممتاز قادریؒ کے وکیل جسٹس نذیر غازی کی تقریر بھی ریکارڈ پر موجود ہے جس میں انھوں نے بتایا کہ انسداد دہشت گردی عدالت کے جج نے مقدمے کے قواعد وضوابط کا کوئی خیال نہیں رکھا۔ اگر یہ تمام باتیں درست ہیں کہ ادنیٰ، اعلیٰ اور عظمیٰ عدالتوں نے قانون کے تحت مقدمہ نہیں چلایا تو سوال یہ ہے کہ وکلاء نے ان عدالتوں پر ان کی کاروائی پر ان کے ججوں پر ان کے طریقہ کار پر عدم اعتماد کا اظہار کیوں نہیں کیا، عدالت میں ججوں پر اعتراض کیوں نہیں کیا کہ تم انصاف کے تقاضے پورے نہیں کررہے عدالت کی غیر قانونی کاروائی کا بائیکاٹ کیوں نہیں کیا گیا، تم سے زیادہ جرات مند تو عاصمہ جہانگیر ہے جو عدالت کے سامنے کھڑی ہوکر عدالت کی توہین کرتی ہے اور پھر معافی مانگنے سے انکار کردیتی ہے اور عدالت پھر بھی ان کا مؤقف خندہ پیشانی سے سنتی رہتی ہے۔ اگر سپریم کورٹ نے ناانصافی کی تو علماء کیوں چپ رہے۔ آپ سے اچھے تو پی پی پی کے جیالے ہیں جنھوں نے آج تک سپریم کورٹ کے فیصلوں کو قبول نہیں کیا اور مسلسل اسے عدالتی قتل کہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستانی لبرل اور سیکولر لوگ مذہبی لوگوں سے زیادہ جرأت مند ہیں۔ NAP کے تحت فوجی عدالتیں قائم ہوئیں تو ان کی سب سے شدید مخالفت لبرل سیکولر دانش وروں نے علمی اور عملی طور پر کی۔ آرمی پبلک اسکول کے سہولت کاروں کو پھانسی کی سزا ہوئی تو عاصمہ جہانگیر نے سپریم کورٹ سے ان کی سزا کو ملتوی کرادیا۔ کیا علمائے دین اور دینی قوتیں ایمان کی اس سطح پر آچکی ہیں کہ عاصمہ جہانگیر جتنی جرأت بھی نہیں رکھتیں اس ایمان کے ساتھ امریکا اور مغربی تہذیب کی یلغار کا مقابلہ کیسے ہوگا؟

مولانا فضل الرحمان نے فرمایا کہ پنجاب اسمبلی کا منظور کردہ تحفظ حقوق نسواں بل صرف اسلام نہیں آئین پاکستان کے بھی خلاف ہے[۱۳ مارچ ۲۰۱۶ء جنگ کراچی] مولانا کا یہ بیان درست نہیں۔ یہ بل آئین پاکستان کے عین مطابق ہے جو آزادی کو ایک عقیدے کے طور پر قبول کرکے منشور انسانی حقوق کے ذریعے ہر فرد کی آزادی کے تحفظ اور اس میں مسلسل اور مستقل اضافے کا آرزومند ہے یہ بل مساوات کے فلسفے کی عکاسی کرتا ہے ایک جانب فضل الرحمٰن صاحب آزادی اور مساوات کے عقیدوں کو تسلیم کرتے ہیں منشور انسانی حقوق کے ان دو اصولوں کو اسلامی بتاتے ہیں پھر ان کے نتائج پر بل پر تنقید بھی کرتے ہیں یہ رویہ Oxymoron ہے۔

بل میں مرد کی آزادی کو محدود کرکے عورت کی آزادی میں اضافہ کیا گیا تاکہ وہ مرد کی اجازت کے بغیر آزادی سے جو چاہے کرسکے۔ شوہر اس کی گناہ گار زندگی میں بھی مداخلت کا مجاز نہیں وہ اس کا حق ہے گناہ گار زندگی گزارنے پر شوہر بیوی کو بس طلاق ہی دے سکتا ہے لیکن آزاد زندگی بسر کرنے سے نہیں روک سکتا۔ آپ آزادی کے

عقیدے اور آئین کے بنیادی ڈھانچے پر اعتراض نہیں کر رہے جو مذہب حقوق انسانی کو الحق تسلیم کرتا ہے جبکہ منشور انسانی حقوق کی اکثر شقیں اسلامی علمیت اور ماخذات دین کا انکار کرتی ہیں علماء کرام نے ابھی تک اس منشور کا گہرائی سے جائزہ نہیں لیا مگر فلسفے اور فلسفۂ سیاست کے تمام لوگ اسلام اور اس منشور میں کوئی ہم آہنگی نہیں پاتے ___ منشور انسانی حقوق کو عین اسلام اور خطبہ حجۃ الوداع سے ماخوذ سمجھنا علماء کی غلطی ہے جس کی اصلاح کم از کم ممتاز قادری کی شہادت کے بعد اب ہونی چاہیے۔ آئین کو پرکھنے کا اصل پیمانہ اسلام نہیں منشور حقوق انسانی ہے آئین اسلام کو اسی پیمانے پر پرکھتا ہے اور صرف اسلام کے اتنے حصے پر عمل کی آزادی دیتا ہے جتنا حصہ آزادی کے عقیدے سے ہم آہنگ ہے اور اسلام کا وہ حصہ جو آزادی کے عقیدے اور منشور انسانی حقوق کے خلاف ہے اس پر عمل کی آزادی کبھی نہیں دے گا۔

سپریم کورٹ اب اسلام کو اسی پیمانے پر پرکھ رہی ہے ممتاز قادری کی پھانسی کا فیصلہ، ارتداد کی آزادی کا فیصلہ اور تحفظ حقوق نسواں بل کی صورت میں منشور انسانی حقوق کا الحق [Supreme Good] آزادی [Freedom] رفتہ رفتہ ظہور کر رہا ہے کیونکہ پاکستان ایک مذہبی معاشرہ ہے اور مذہب کی گرفت ابھی مضبوط ہے لہٰذا لبرل ازم آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہا ہے فرید زکریا کی کتاب Future of Freedom لبرل ازم کے نفوذ کے طریقے بتاتی ہے۔

غامدی صاحب کا اجتہاد ہے کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں یعنی آسیہ بی بی، سلمان تاثیر اور ممتاز قادری شہید سوال یہ ہے کہ یہ تینوں کس قانون کی نظر میں برابر ہیں اسلامی قانون کی نظر میں یا سیکولر مغربی قانون کی نظر میں ___ غامدی صاحب سے زیادہ جرأت ایمانی تو انسداد دہشت گردی کی عدالت کے سربراہ جسٹس پرویز علی شاہ کی تھی جو شہید ممتاز قادری کے خلاف دہشت گردی کے مقدمے کی سماعت کر رہے تھے انھوں نے دلائل سننے کے بعد کہا کہ اسلامی قانون کے تحت تو آپ کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی مگر انسداد دہشت گردی کے ملکی قانون کے تحت آپ کو یہ سزا دی جارہی ہے۔ حیرت ہے کہ ایک سیکولر عدالت کا جج بھی اسلامی قانون اور سیکولر قانون میں فرق کو واضح طور پر جانتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اسلامی قانون کی روشنی میں یہ تین مختلف نقطہ ہائے نظر رکھنے والے لوگ کیسے برابر ہوسکتے ہیں یہ کیسا اجتہاد ہے؟ اسے ہم الحاد اور فساد کہہ سکتے ہیں اسلامی قانون اور اسلامی علمیت میں اور تہذیب میں، مساوات نہیں ہوتی وہ حفظ مراتب کی تہذیب ہے جہاں مراتب وجود ہوتے ہیں ہر شخص کا درجہ اس کے مقام و مرتبے کے لحاظ سے متعین ہوتا ہے۔ سورہ توبہ میں عرب کے تمام مشرکین کے قتل کا حکم دیا گیا لیکن رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مشرکین کی عورتیں اور بچے قتل نہیں کیے جائیں یعنی مشرک مرد، عورت، بچے بھی برابر نہیں ہیں۔

مرتد ہونے والے مسلمان مرد کو قتل کیا جائے گا لیکن مسلمان مرتد عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ حج میں مرد سر مونڈے گا عورت سر نہیں مونڈے گی۔ قرآن تمام کفار میں مساوات کا اصول تسلیم نہیں کرتا وہاں بھی مراتب موجود ہیں۔ قرآن نے اہل کتاب میں بھی مساوات نہیں رکھی عیسائیوں کا درجہ یہود سے بہتر ہے۔ قرآن نے کفار میں بھی فرق کیا قرآن میں کفار اور مشرکین کے قتال کا حکم دیا گیا مگر کفار اہل کتاب کو جزیہ دے کر زندہ رہنے کی اجازت دی گئی۔ مشرکین کو اہل کتاب سے بدتر قرار دیا گیا اور ان کے قتال کا حکم دیا گیا لیکن منافقین کو مشرکین اور اہل کتاب سے بھی زیادہ ذلیل قرار دیا گیا۔ منافقین اسلام قبول کرنے کے باوجود تمام کفار سے بدتر ہیں اور دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں رہیں گے۔ باپ اولاد کو قتل کردے تو اولاد باپ کو قصاص میں قتل نہیں کرسکتی۔ لہٰذا مساوات کا اصول تو اسلام تسلیم ہی نہیں کرتا یہ قرآن کے نصوص کا فیصلہ ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد میں مساوات ہے مگر وہاں بھی کوئی مساوات نہیں مثلاً موذن مسجد میں سب سے پہلے آتا ہے اور مقتدی سب سے آخر میں۔ اگر مساوات مسجد میں ہے تو امام صاحب لوگوں کی صف کے آگے کیوں کھڑے ہوتے ہیں؟ مسجد میں ہر مسلمان بھی نہیں آسکتا آنے والے کا پاکیزہ ہونا ضروری ہے ناپاک نہیں آسکتا ___ مسجد میں عورتیں کبھی مردوں کے ساتھ نہیں کھڑی ہوسکتیں وہ پچھلی صف میں کھڑی ہوں گی پہلی صف میں کھڑے ہونے والے اور آخری صف میں کھڑے ہونے والا کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔ جو تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز میں شامل ہوا اور جو نماز کے آخر میں شامل ہو دونوں کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔ کوئی مقتدی امام اور موذن کے مساوی نہیں ہوسکتا جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جائے وہ نماز میں شامل نہیں رہ سکتا وہ صف سے الگ ہوجائے۔ یعنی وضو والا اور بغیر وضو والا برابر نہیں ہوسکتے۔

امام معذور ہوجائے تو وہ جماعت کی امامت نہیں کرا سکتا لہٰذا معذور اور صحت مند مسجد میں برابر نہیں ہوسکتے جو امامت صغریٰ کا مستحق ہے وہی امامت کبریٰ کا مستحق ہے جو امامت کبریٰ کا مستحق ہے اسی پر جہاد فرض ہے لہٰذا عورت کو اسلام نے تینوں ذمہ داریوں سے بری الذمہ قرار دیا اور اسے گھر میں رہنے کا حکم دیا گھر کے کام نسل کی تربیت یہی اس کا جہاد ہے اولاد کی میراث میں ماں باپ کا حصہ برابر ہے جبکہ ماں عورت ہے مگر بیٹی بیٹے کا حصہ برابر نہیں جبکہ بیٹی بھی عورت ہے یعنی حصہ کا تعین جنس کی بنیاد پر نہیں مرتبے کی بنیاد پر ہو رہا ہے۔ اسلام میں کوئی مساوات نہیں ہے مرد طلاق دیتا ہے عورت طلاق لیتی ہے مرد عورت کو سزا دے سکتا ہے عورت مرد کو سزا نہیں دے سکتی مرد کا ستر کم ہے عورت کا ستر زیادہ ہے لہٰذا عورت اور مرد بھی مساوی نہیں۔ ان دلائل کی روشنی میں غامدی صاحب کی یہ دلیل کہ اسلامی قانون کی نظر میں سب مساوی ہیں غلط دلیل ہے۔ لہٰذا

اسلامی قانون کی روشنی میں توہین رسالت کرنے والا غیر مسلم، توہین رسالت کرنے والا مسلمان، اور ایک عاشق رسولؐ کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔

حفظ مراتب کا مسئلہ صرف اسلام کا نہیں ہیومن رائٹ ڈسکورس اور ہیومن رائٹس ڈیکلریشن کے تحت بھی آسیہ بی بی اور شہید ممتاز قادری برابر نہیں ہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ ممتاز قادری کو پھانسی دی گئی تو ایمنسٹی انٹرنیشنل نے صرف اس پھانسی کی مذمت کی لیکن اگر آسیہ بی بی کو توہین رسالت کا الزام ثابت ہوجانے کے بعد پاکستان کی عدالت عظمٰی پھانسی دے دیتی تو ایمنسٹی انٹرنیشنل UNO,NATO اور مغرب کے تمام ممالک اسے انسانی حقوق اور آزادی اظہار رائے کی بدترین خلاف ورزی قرار دیں گے کیونکہ انسانی حقوق کے منشور میں آزادی رائے کے تحفظ کے حق کے تحت ہر شخص کسی کو گالی دے سکتا ہے اس کی توہین کر سکتا ہے۔ آسیہ بی بی نے جو کچھ کیا انسانی حقوق کے عالمی منشور کے تحت ایسا کرنا دنیا کے ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ امریکہ کے آئین کی دوسری ترمیم بھی اس حق کا بھرپور تحفظ کرتی ہے۔ لیبیا میں توہین قرآن اور توہین رسالت کے خلاف ایک مظاہرے کے دوران مشتعل مظاہرین نے امریکی ایمبیسی پر حملہ کر دیا، آگ لگا دی چند امریکی مرگئے تو UNO کا اجلاس طلب کیا گیا۔ صدر اوباما نے اس اجلاس سے خطاب کیا اور صاف صاف لفظوں میں کہا کہ توہین قرآن اور توہین رسالتؐ آزادی اظہار رائے کی ایک شکل ہے امریکی آئین اس آزادی کا تحفظ کرتا ہے آزادی اظہار رائے پر پابندی عائد نہیں کی جاسکتی امریکیوں کی اکثریت عیسائی ہے ہم اپنے مقدس عیسائی نظریات اور حضرت عیسیٰ کی توہین پر بھی کوئی پابندی عائد نہیں کرتے دنیا کے سب لوگ آزادی کے الحق الخیر [Good] اور اصول کو تسلیم کرتے ہیں لہٰذا ہر شخص کو اظہار رائے کی آزادی حاصل ہے مگر امریکی صدر نے یہ نہیں بتایا کہ اگر کوئی شخص امریکی پرچم کی توہین کرے امریکہ کے قومی پرندے کو گھر میں بند کر دے اس کی توہین کرے تو اس توہین پر سزائیں کیوں دی جاتی ہیں کوئی امریکی سپریم کورٹ کی توہین کر دے تو اس پر سزا کیوں ملتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اور انجیل کی تمہارے ملک میں اتنی حیثیت بھی نہیں جو ایک کپڑے کے ٹکڑے، ایک پرندے اُلو اور امریکی عدالت کے جج کی ہے تو تم مذہب کو بے کار سمجھتے ہو تم اسے علمیت نہیں سمجھتے لہٰذا تم مذہب کی توہین کی اجازت دیتے ہو جس کو علم سمجھتے ہو قابل عزت سمجھتے ہو یعنی امریکی پرچم، امریکی قومی پرندے اور امریکی عدالت اس کی توہین پر سخت سزائیں دیتے ہو یعنی تمہارے یہاں بھی امتیازی [Discriminatory] رویہ ہے مذہبی علامات، شخصیات کی توہین کی عام اجازت ہے سیکولر علامات، شخصیات کی توہین حرام ہے۔ بس یہی معاملہ ہمارے یہاں بھی ہے ہم مذہبی شخصیات کی توہین کو جرم سمجھتے ہیں اور سیکولر عقیدے آزادی، مساوات کی مخالفت کو عین اسلام سمجھتے ہیں۔

اہل مغرب علمائے دین کے ہی دشمن نہیں وہ سائنس کے علماء کے بھی بدترین دشمن ہیں جس طرح علمائے دین سرمایہ دارانہ نظام زندگی کی ترقی، نشوونما، عروج میں اپنے فتووں سے رکاوٹ ڈالتے ہیں اور جدیدیت کو روحانیت کے زوال کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں بالکل اسی طرح سائنس دان ماحولیاتی تباہی و بربادی سے پیدا ہونے والے خطرے سے آگاہ کر کے سرمایہ دارانہ نظام کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرتے ہیں لہٰذا ان سائنس دانوں کو بھی جاہل، پاگل، بے وقوف قرار دے کر گرفتار کر لیا جاتا ہے ان کی تحقیقات پر پابندی عائد کر دی جاتی ہے کیونکہ مغرب کی دنیا آزادی اور سرمایہ مرکز دنیا [Freedom/Capital Centic World] ہے۔

ہر اصول اور قدر کا پیمانہ صرف یہ ہے کہ اس سے سرمایہ اور آزادی میں اضافہ ہو رہا ہے یا نہیں کیونکہ آزادی کی ٹھوس شکل محض سرمایہ ہے۔ لہٰذا سرمایہ اور آزادی کی راہ میں رکاوٹ بننے والے ہر علم کا انکار کر دیا جاتا ہے مغرب کی جدیدیت نے پہلے آسمانی کتابوں، آخرت، مذہبی علوم اور علماء کا انکار کیا ان کی تحقیر، تضحیک، توہین میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اب اس تحقیر، تذلیل، تضحیک، انکار کا رخ سائنس دانوں کی طرف ہے۔

منشور انسانی حقوق کے تحت جدید ریاست کا مقصد ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا ہے جہاں آزادی میں مستقل و مسلسل اضافہ ہو آزادی کی ٹھوس شکل صرف اور صرف سرمایہ Capital ہے لہٰذا جدید ریاست کا اصل تصور خیر صرف سرمایہ ہے لہٰذا ریاست کا ہر عمل سرمایہ میں اضافے سے مشروط ہوتا ہے کیونکہ معیار زندگی میں مستقل و مسلسل اضافہ سرمایہ کی مسلسل و مستقل فراہمی اور بڑھوتری کے بغیر محال ہے لہٰذا سرمایہ مرکزیہ دنیا [Capital Centric Wrold] ہر اس عمل، طریقے، کام، تحقیق علم کی دشمن ہے جس سے سرمایہ میں کمی کا خطرہ درپیش ہو لہٰذا جدید ریاست ہر فیصلہ اس بنیاد پر کرتی ہے کہ اس سے سرمایہ کی رفتار تیز تر ہو سکے آزادی اور سرمایہ [Freedom and Capital] لازم و ملزوم ہیں اس راستے میں مذہب سائنس فلسفہ جو بھی رکاوٹ بنے جدید ریاست ان سب کو کچل کر رکھ دیتی ہے کیونکہ خیر، حق، سچائی جدید ریاست کی نظر میں صرف سرمایہ ہے لہٰذا علم کے ہر دائرے کو خواہ وہ مذہب سے نکلتا ہے یا سائنس سے یا فلسفے سے یا شاعری سے اسے صرف اور صرف سرمایہ کی میزان پر پرکھا جائے گا اگر وہ دائرہ سرمایہ کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہیں کرتا تو اسے نظر انداز کر دیا جائے گا اگر وہ دائرہ علم سرمایہ کے لیے خطرہ بن رہا ہے تو اسے کچل دیا جائے گا۔

عالم اسلام میں بلاوجہ سائنس کو سب سے برتر علم اور سائنس داں کو سب سے بہتر عالم جانا جاتا ہے لیکن سائنس دان [Scientists] کی مغرب میں اتنی عزت بھی نہیں کی جاتی جتنی عزت سٹے باز Risk Managers رنڈیوں، مراثیوں، بھانڈوں [Showbuisness Stars] اور کھلاڑیوں [Call girls/Sports men] کی ہوتی ہے۔

سائنس دانوں کی عزت کا حال یہ ہے کہ ان کی تحقیقات جو سرمایہ دارانہ نظام اور کارپوریشن کے مفادات کے خلاف ہوں ان کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کیا جاتا اور ایسی تحقیقات پیش کرنے والے سائنس دانوں کو گرفتار کرلیا جاتا ہے۔ ہارورڈ یونیورسٹی کی پروفیسر Noamiorsekes اپنی کتاب Collapse of Western Civilization میں لکھتی ہے

A crucial but under-studied incident was the legal seizing of notes from scientists who had documented the damage caused by a famous oil spill of the period, the 2011 British Petroleum Deepwater Horizon. Though leaders of the scientific community protested, scientists yielded to the demands, thus helping set the stage for further pressure on scientists from both governments and the industrial enterprises that governments subsidized and protected. Then legislation was passed (particularly in the United States) that placed limits on what scientists could study and how they could study it, beginning with the notorious House Bill 819, better known as the "Sea Level Rise Denial Bill," passed in 2012 by the government of what was then the U.S

. state of North Carolina (now part of the Atlantic Continental Shelf) Meanwhile the Government Spending Accountability Act of 2012 restricted the ability of government scientists to attend conferences to share and analyze the results of their research. Though ridiculed when first introduced, the Sea Level Rise Denial Bill would become the model for the U.S. National Stability Protection Act of 2025, which led to the conviction and imprisonment of more than three hundred scientists for "endangering the safety and well-being of the general public with unduly alarming threats." By exaggerating the threat, it was argued, scientists were preventing the economic development essential for coping with climate change. When the scientists appealed, their convictions were upheld by the U.S. Supreme Court under the Clear and Present Danger doctrine, which permitted the government to limit speech deemed to represent an imminent threat. Had scientists exaggerated the threat, inadvertently undermining the evidence that would later vindicate them? [Nomi Oreskes & E. Mcnway The collapse of western civilization: a view from the future , Columbia University Press. New York, 2014, p. 13, 14]

Naomi Oreskes نے ریاست نارتھ کیرولینا کے ساحلوں سے متعلق جس بل House Bill 189 کا ذکر کیا ہے اس بل کے نفاذ کا مقصد سمندر کی سطح بلند ہونے کی سائنسی حقیقت کو قانون کی طاقت سے نظر انداز کرنا تھا اس قانون کی غیر منصفانہ منظوری پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکا کے ایک مسخرے [Comedian] اسٹیفن کولبرٹ نے اپنے مزاحیہ پروگرام میں عجیب وغریب جملہ کسا۔ اگر سائنس آپ کو کوئی ایسا حل پیش کرتی ہے جو آپ کو پسند نہیں تو آپ اس کے خلاف ایک قانون منظور کرلیں کہ سائنسی نتائج غیر قانونی ہیں مسئلہ حل ہوجائے گا۔ قانون دانوں کی یہ کوشش سائنس کو غیر قانونی قرار دینے کے مترادف ہے

"If your science gives you a result you don't like, pass a law saying the result is illegal. Problem solved, "the Joked. lawmakers' efforts as an attempt to outlaw science.

امریکا میں سائنس اور سائنس دانوں کے ساتھ قانون دانوں نے وہی سلوک کیا جو پاکستان میں اینکر پرسن، لبرل مفکر اور رنڈیاں اسلامی پروگرام میں اسلام کے ساتھ کرتی ہیں لہٰذا بلڈروں کے ایک نمائندے نے بل کی حمایت میں کہا

Fom Thompson, president of NC- 20, a coastal development group and a key supporter of the law, said the science used to make the 39 - inch prediction was flawed, and added that the resources commission failed to consider the economic consequences of preparing the coast for a one - meter rise in sea level, under which up to 2,000 sequre miles would be threatened.

The endeavor would cost the state hundred of millions of dollars, Thompson said.

"I don't want to say they're being dishonest, but they;re pulling data out of their hip pocket that arn't working,"

بل کا متن لکھنے والی رکن اسمبلی نے ارشاد فرمایا:

Republican State Rep. Pat McElraft, who drafted the law, called the law a "breather" that allows the state to "step back" and continue studying sea - level rise for the next several years.with the goal of achieving a more accourate prediction model.
"Most of the environmental side say we're ignoring science, but the bill actually asks for more science," she said "We"re not ignoring science, we're asking for the best science possible, the best extrapolationpossible, looking at the historical data also. We just need to make sure that we're getting the proper answers."

[http://abcnews.go.com/US/north-carolina-bans-latest-science-rising-sea-level/story?id=16913782]

اصول یہ برآمد ہوا کہ ہر تہذیب اپنے تصور خیر الحق اور العلم کے خلاف تنقید کو خطرہ بننے کی آزادی نہیں دیتی البتہ تقلید کی لامحدود آزادی عطا کرتی ہے۔عصر حاضر بھی آزادی اظہار رائے کے نام پر اجتہاد، آزاد خیالی، آزادی کا عہد نہیں اصلاً تقلید ہی کا عہد ہے مغرب کے مذہب آزادی یعنی سرمایہ داری کی کامل تقلید کا عہد۔حیرت کی بات یہ ہے کہ مغرب میں تقلید کا نام آزادی اور علم ہے لیکن یہی مغرب مشرق میں تقلید کو بدترین جہالت قرار دیتا ہے۔مغرب کے اصول کے عین مطابق اگر اسلامی تہذیب بھی اپنے تصور خیر الحق اور العلم کے خلاف تنقید کی اجازت نہیں دیتی تو اس پر متجددین کو شرم کیوں محسوس ہوتی ہے؟

عزت کا پیمانہ مغرب اور دنیائے جدید[Modren Age] میں صرف مادی ہے اور وہ ہے پیسہ۔ہر عمل، فیصلے، حکمت عملی کی بنیاد صرف یہ ہے کہ سرمایہ میں اضافہ کس طریقے سے ہوگا؟ ۔جو زیادہ کماتا ہے وہ زیادہ عزت پاتا ہے سب سے زیادہ پیسہ سٹے باز کماتے ہیں اس کے بعد رنڈیاں اور کھلاڑی وغیرہ اس کے بعد سائنس دانوں کا نمبر آتا ہے کیونکہ سٹے باز اور رنڈیاں سرمایہ کی پیداوار میں سائنس دانوں سے زیادہ بہتر ہیں مثلاً عالمی اولمپکس کے ایک ہفتے کے کھیل سے جتنا سرمایہ پیدا ہوتا ہے امریکہ کی تمام یونیورسٹیاں سال بھر میں اتنا سرمایہ پیدا نہیں کرسکتیں اولمپکس کے کھیل کے دوران ایک ہفتے میں جتنی شراب پی جاتی ہے دنیا کے بائیس ملکوں میں اتنی شراب ایک سال میں پی جاتی ہے۔صرف امریکہ میں عریانی فحاشی کی صنعت ایک سال میں جتنا سرمایہ پیدا کرتی ہے دنیا کی کئی بڑی ملٹی نیشنل کمپنیاں (جن میں مائیکروسافٹ جیسی کمپنی بھی شامل ہے) اجتماعی طور پر بھی اتنا سرمایہ پیدا نہیں کرتیں کرس ہیجز کی کتاب دیکھ لیجیے۔
World wide porn revenues topped 97 billion Dollar in 2006. That is more than the revenues of Microsoft, Google. Amazon, e Bay, Yahoo, Apple, Net flix & Earth link combined. [Chris Hedges., *Empire of illusion : The end of literacy & the triumph of spectalce* , Nation Books USA 2009, p. 58]

لہٰذا زیادہ اجرت[Salaries/wages] اسے ملے گی جو زیادہ سرمایہ پیدا کرے گا۔برکلے یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی تنخواہ یونیورسٹی کے فٹبال کوچ سے کم ہے فٹبال کوچ سالانہ تین ملین ڈالر کماتا ہے اور وائس چانسلر تین لاکھ ڈالر بھی نہیں کماتا۔ایک فٹبال میچ سے جتنا سرمایہ پیدا ہوتا ہے برکلے اتنا سرمایہ کئی سالوں میں نہیں پیدا کرسکتی۔لہٰذا استاد، پروفیسر، وائس چانسلر کو فری مارکیٹ کے اصول Each according to his ability کے مطابق بہت کم پیسے ملتے ہیں مغرب جدید دنیا سرمایہ دارانہ نظام میں صلاحیت قابلیت سے مراد صرف سرمایہ پیدا کرنے[Creation of money] کی صلاحیت ہے فٹبال کوچ اس پر پورا اترتا ہے لہٰذا زیادہ کمانے والے کو زیادہ نوازا جاتا ہے اسی لیے پاکستان کے کسی بڑے سے بڑے دینی مدرسے کے شیخ الحدیث کی تنخواہ بارہ پندرہ ہزار روپے سے زیادہ نہیں ہے مگر سرکاری یونیورسٹی کے ایک چپراسی اور خاکروب کی تنخواہ بائیس ہزار روپے ہے صرف اس لیے کہ وہ نظام سرمایہ داری کا کارندہ ہے اور شیخ الحدیث اس نظام کا باغی ہے ان کا علم اور دین اس نظام کے راستے میں حلال وحرام کے فتوے لگا کر ترقی کی رفتار روک دیتا ہے۔لہٰذا اس بغاوت کی سزا اسے دی جارہی ہے۔لیکن یہی شیخ الحدیث اسی علم اور اسی جسم کے ساتھ کسی سرکاری وغیر سرکاری یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات میں استاد بن جائے، اسلامی نظریاتی کونسل میں شامل ہوجائے کسی اسلامی غیر اسلامی بینک کا مشیر امور مذہبی بن جائے تو فوراً اسے لاکھوں روپے تنخواہ ملنے لگتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیوں؟اس لیے کہ وہ نظام حاضر موجود کے لیے اپنے علم کو استعمال کرنے پر آمادہ ہوگیا ہے۔لہٰذا نظام اس کا صِلہ اور اجرا سے عطا کرے گا۔

کرس ہیجز اپنی کتاب *The impire of illusion* میں لکھتا ہے
The football coach is Berkeley's highest paid employee. He makes about 3 million dollar. [p. 94]

کرس ہیجز اسی کتاب کے باب Illusion of Love میں لکھتا ہے کہ امریکہ میں ایک اعلیٰ ترین رنڈی تین ہزار ڈالر فی گھنٹہ کماتی ہے۔آج کل اسے

آرٹسٹ،فلم اسٹار،فلمی ستارہ sex worker کہاجاتاہےلیکن اس پیشے کے عیوب ظاہر کرنے کے لیے سب سے بہترین لفظ یہی ہے۔

The porn stars make anywhere from 1500 dollar to 3000 dollar an hour as prostitute. [p. 68, ibid]

اگر یہ رنڈی روزانہ بارہ گھنٹے کام کرے تو اس کی روزانہ کی آمدنی ۳۶ ہزار ڈالر ہے جو ایک امریکی استاد کی سالانہ آمدنی ہے یہ رنڈی ماہانہ دس لاکھ اسی ہزار ڈالر کماتی ہے جبکہ امریکی سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ایک سال میں صرف دو لاکھ سترہ ہزار چار سو ڈالر کماتا ہے رنڈی کا لفظ اب متروک ہوگیا ہے کیونکہ معاشرے میں گناہ اور گناہ گار کو پسند کیا جارہا ہے۔اسے برداشت [tolerance] کہتے ہیں یہ آزادی کے عقیدے کا نتیجہ ہے ہر پھول کو کھلنے دو۔آپ نیک کام کریں دوسرے کو برے کام کرنے دیں دونوں کا حق ہے عہد حاضر حق [Right] کے منہاج کا عہد ہے آپ جو چاہے کریں کہ حق [Good] کچھ نہیں ہوتا یہ ہر شخص کا محض دعویٰ ہوتا ہے ہر شخص کو حق [Right] ہے کہ جسے خیر [Good] سمجھے اپنی ذاتی زندگی میں اسے خود اختیار کرے دوسرے کو اختیار کرنے پر مجبور نہ کرے اپنی مرضی آزادی اختیار مطلق سے آپ جس خیر کو اختیار کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔دوسرے معنوں میں خیر کی بحث بے معنی ہے خیر کچھ نہیں ہوتا اصل چیز پیسہ ہے۔بس پیسے کماؤ جدید نظام تعلیم اور تعلیمی اداروں کا یہی مقصد ہے۔

حسین نصر نے بھی یہ بات لکھی ہے کہ مغرب میں اسپورٹس ہیرو کی ایک سال کی آمدنی ایک بہت بڑے سائنس داں اور عظیم مفکر کی پوری زندگی کی آمدنی سے زیادہ ہوتی ہے۔

There are now sports heroes who make more of a salary in one year than the greatest westren scientists or scholars will do in his or her life time. [S. H. Nasr: *A Young Muslim's guide to the modern world*, Suhail Academy Lahore, 1988, p.232]

مشہور فلسفی مائیکل سانڈل لکھتا ہے کہ امریکہ میں اسکول کا ایک عام استاد ایک سال میں ۴۳ ہزار ڈالر کماتا ہے لیکن ڈیوڈ لیٹرمین جورات گئے فحش گوئی کے پروگرام کی میزبانی کرتا ہے اس کی سالانہ آمدنی اکتیس ملین ڈالر ہے امریکہ کا سب سے عاقل اہم ترین آدمی سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ایک سال میں صرف دو لاکھ سترہ ہزار چار سو ڈالر کماتا ہے اور ایک ٹیلی ویژن شو کی جج جوڈی ایک سال میں ۲۵ ملین ڈالر کما لیتی ہے

☆The average schoolteacher in the United States makes about $43,000 per year. David Letterman, the late-night talk show host, earns $31 million a year.

☆John Roberts, chief justice of the U.S. Supreme Court, is paid $217,400 a year. Judge Judy, who has a reality television show, makes $25 million a year. [*Justice, What's The Right Thing To Do?*, Michael J. Sandel ,p.162]

مسلمانوں ، اسلامی جماعتوں پر مغرب کا اعتراض یہ ہے کہ ایک طرف تم آزادی کو صلاحیت [Ability] کے بجائے ایک قدر [Value] اصول [Principle] ،عقیدے [Faith] کے طور پر تسلیم کر لیتے ہو اور اس کے بعد آزادی پر تحدیدات [Limitations] عائد کرنا شروع کر دیتے ہو۔تمہارا طریقہ Oxymoron ہے آزادی کو جب تم نے عقیدہ کے طور پر قبول کر لیا تو اس میں If اور But کے لاحقے سابقے بے بنیاد ہیں جب آزادی قدر ہے تو رسول، قرآن، انسان، پیغمبر سب کی توہین تنقیص کی آزادی ہے اور اگر کوئی شخص قرآن یا رسول کی توہین کرتا ہے تو اس کا علاج تشدد جھگڑا نہیں بلکہ یہ ہے کہ اسے مزید آزادی دو۔مزید آزادی۔یہ مغرب کا قطعی حتمی دعویٰ ہے دلیل اور ثبوت پیش خدمت ہے:

We have taken these positions because we believe that freedom and self-determination are not unique to one culture. These are not simply American values or Western values - they are universal values. And even as there will be huge challenges to come with a transition to democracy,

That is what we saw play out in the last two weeks, as a crude and disgusting video sparked outrage throughout the Muslim world. Now, I have made it clear that the United States government had nothing to do with this video, and I believe its message must be rejected by all who respect our common humanity.
I know there are some who ask why we don't just ban such a video. And the answer is enshrined in our laws: Our Constitution protects the right to practice free speech.
Here in the United States, countless publications provoke offense. Like me, the majority of Americans are Christian, and yet we do not ban blasphemy against our most sacred beliefs. As President of our country

and Commander-in-Chief of our military, I accept that people are going to call me awful things every day - (laughter) - and I will always defend their right to do so. (Applause.)

Americans have fought and died around the globe to protect the right of all people to express their views, even views that we profoundly disagree with. We do not do so because we support hateful speech, but because our founders understood that without such protections, the capacity of each individual to express their own views and practice their own faith may be threatened.

We do so because given the power of faith in our lives, and the passion that religious differences can inflame, the strongest weapon against hateful speech is not repression; it is more speech - the voices of tolerance that rally against bigotry and blasphemy, and lift up the values of understanding and mutual respect.

But in 2012, at a time when anyone with a cell phone can spread offensive views around the world with the click of a button, the notion that we can control the flow of information is obsolete. The question, then, is how do we respond?

It is time to marginalize those who - even when not directly resorting to violence - use hatred of America, or the West, or Israel, as the central organizing principle of politics.

[Remarks from President Barack Obama to the UN General Assembly, New York, 2012.09.26]

اقوام متحدہ میں صدر امریکہ کی تقریر کے بعد ایران کے احمدی نژاد، پاکستان کے زرداری، مصر کے صدر مرسی، ترکی کے طیب اردگان نے خطاب کیا لیکن کسی ایک کی یہ جرات نہ ہوئی کہ وہ صدر اوباما کی تقریر پر تنقید کرتے اور کہتے کہ ہم آزادی کے اس عقیدے کو جو تمہارے جدید فلسفے فیڈرلسٹ پیپرز اور منشور انسانی حقوق کے کفر سے نکلا ہے نہیں مانتے تم امریکہ میں حضرت عیسیٰؑ کی توہین کی اجازت دے سکتے ہو لیکن مسلمان نہ حضرت عیسیٰؑ کی توہین کی اجازت دیں گے نہ رسالت مآب ؐکی توہین کرنے دیں گے ہم ایسے کسی عقیدۂ آزادی کو تسلیم نہیں کرتے ان چاروں نے صرف یہ کہا کہ اسلام آزادی کی اجازت دیتا ہے آزادی اسلامی قدر [Value] ہے ہم اسے مانتے ہیں مگر اسلام توہین رسالت کی آزادی کی اجازت نہیں دیتا امریکی صدر کی تقریر کے بعد یہ جاہلانہ استدلال صرف علم کی نہیں ایمان اور عقیدے کی شکست کا مسئلہ ہے مغرب سے ہم علم ایمان اور عقیدے کی جنگ ہار رہے ہیں اس کو جیتنے کا صرف ایک طریقہ ہے اپنے ایمان علمیت عقیدے کا جرات سے اظہار اور اس پر عزیمت کے ساتھ استقرار

———— اوباما نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ انٹرنیٹ کی دنیا میں توہین، تمسخر، تذلیل، تضحیک، گالم گلوچ ایک عام بات ہے۔ اس میں برا ماننے، غصے میں آنے، تشدد کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص کو کسی کی توہین کرنے، گالیاں دینے، تمسخر اڑانے کی مکمل آزادی ہے آزادی کے خیر کو تمام دنیا مانتی ہے منشور انسانی حقوق اور امریکی دستور اظہار رائے کی اس آزادی کو تحفظ دیتے ہیں تمام اسلامی ممالک نے جو اس UNO کے رکن ہیں اس منشور پر دستخط کئے ہیں لہٰذا آپ کو صرف گالیاں سننے کی، صبر کرنے کی آزادی ہے۔ گالیاں دینے والے کے لیے کوئی قاعدہ، قانون، ضابطہ، سزا نہیں ہے۔ یہ ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ گالیاں دینے والے کے لیے پابندی کا کوئی قانون نہیں ہے۔ گالیاں سننے والے کے لیے صرف سننے اور برداشت کرنے کا قانون ہے۔ اگر کوئی گالی سن کر مشتعل ہو جائے تو وہ انسان ہونے کا ثبوت نہیں دیتا اسے انسان بن کر رہنا چاہیے اگر انسان نہیں بنے گا تو ہم ڈرون حملے سے ان کو انسان بنا دیں گے۔ انسان وہ ہے جو آزادیٔ اظہار رائے کے حق کو تسلیم کرے اور اگر کوئی اس حق کا غلط استعمال بھی کر رہا ہے تو اس کو اس حق کے استعمال سے نہ روکے ____ اس مسئلے کا حل صرف یہ ہے کہ گالیاں دینے والے کو گالیاں دینے کی مزید آزادی عطا کی جائے، اور زیادہ آزادی ____ مزید آزادی اس آزادی میں اضافہ کرتے چلے جائیں اور سننے والے صبر وضبط کرتے رہیں یہی انسانیت کا تقاضا ہے۔ روشن خیال انسان ایسا ہی ہوتا ہے جو ان اصولوں کو نہیں مانتا وہ وحشی، درندہ، بھیڑیا، پاگل ہے اور پاگل کے لیے جدیدیت میں کوئی آزادی نہیں جان رالز لکھتا ہے کہ ایسے پاگلوں کو اس طرح ختم کر دیا جائے جس طرح جراثیم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

That there are doctrines that rejects one or more democratic freedom is itself a permanent fact of life, or seems so. This gives us the practical task of containing them__like war and disease __ so that they do not overturn political justice [John Rawls, Political Liberalism, New York : Columbia University Press, 2005, p.64]

اوباما کی یہ دلیل کہ اکیسویں صدی میں کوئی بھی شخص موبائل فون کا بٹن دبا کر نہایت متشددانہ جابرانہ خیالات پوری دنیا میں پھیلا سکتا ہے تو ہم اطلاعات کے اس بہاؤ کو کیسے روک سکتے ہیں لہٰذا اس مسئلے کا حل اوباما نے یہ بتایا کہ مسلمانوں ضبط کرنا سیکھو__ یہ جابرانہ متشددانہ ٹیکنالوجی ایجاد کرنے والے، اسے فروخت اور استعمال کرنے

والے امن کے علم بردار ہیں اور جارحیت، نفرت، تشدد پھیلا کر لوگوں سے اور اسلام سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ ہر فرد کے جذبات کو قابو میں رکھے__ اگر بٹن کو آزادی ہے کہ وہ جب چاہے جارحیت پھیلا دے، ٹیکنالوجی کے بٹن کے لئے کوئی قاعدہ، اخلاقیات اصول نہیں بس ہر انسان اپنے جذبات کو قابو میں رکھے یہ ایک احمقانہ خواہش ہے اسلام اور اسلامی علمیت اس مسئلے میں کچھ نہیں کر سکتی مغرب کے خلاف عالم اسلام میں ہلکا پھلکا تشدد جدیدیت کے جبر کا ردعمل ہے اور ردعمل کو کوئی نہیں روک سکتا یہ ردعمل صرف اسلام کی طرف سے نہیں ہے دنیا میں ہر جگہ جدیدیت کی عالمگیریت کے خلاف ردعمل کی سینکڑوں تحریکیں چل رہی ہیں جن کی اطلاعات میڈیا اسی طرح چھپاتا ہے جس طرح شہید ممتاز قادریؒ کے جنازے کی اطلاعات چھپائی گئیں۔ جاپان کی مذہبی متشدد تنظیم Aum Shinrikyo امریکہ میں اسقاط حمل کے خلاف دہشت گرد تحریک، اسپین، بورنیو، بوسٹن، کی نسلی قومی دہشت گرد تحریکیں، جرمنی، اٹلی، ارجنٹینا، بھارت میں کمیونسٹوں سوشلسٹوں کی دہشت گرد تحریکیں ان کی تفصیل J.M Lutz کی کتاب Global Terrorism میں پڑھیے۔

ویسے بھی مغربی تہذیب دنیا کی سب سے متشدد، جابر، ظالم تہذیب ہے اور اس کا ثبوت کراچی یونیورسٹی کے ایم اے کے بین الاقوامی تعلقات کے نصاب میں پڑھائی جانے والی کتاب Global Politics میں موجود ہے دنیا کی بدترین مغربی دہشت گردی کے اعداد و شمار پڑھیے دنیا کی تمام قوموں کی دہشت گردی ایک طرف مغرب کی عالمی دہشت گردی دوسری طرف

It has been suggested that since 3600 B.C., there have been only 292 years without war, and each decade since 1816 has averaged twenty-two wars.It is estimated that more than 150 million people have died from war-related deaths since 3000 B.C.

"Each of the centuries prior to the sixteenth accounted for less than 1 percent of all war deaths. In fact all of them added together accounted for little more than 4 percent of these deaths, while almost 96 percent of war deaths were estimated to occur in the modern period of history, 1500-2000."Seventy-three percent of all war-related deaths since 3000 B.C. have occurred in the twentieth century A.D." Civilian deaths have been a large part of the increase in war deaths. According to UN Secretary General Kofi Annan, "UN sources estimate that at least three-quarters of the casualties of recent conflicts have been civilians, though the precise numbers are not known. " Over half of the civilians, though war victims of the past decade have been children, including two million dead and six million physically disabled since 1990.

Most of the war throughout history have occurred in the past two centuries. perhaps more disturbing.

from the point of global security, it is a shocking fact... that in some ways we are living through one of the worst decades in modern history. The 1970s were the decade with the most war onsets of all types. This was not an insolated spike, as 1960s and 1980s were also worse decades than average. And while the data for the 1990s are not complete, the 1990s will likely win the dubious distinction of being one of the two most war-prone decades [along with the 1970s] since the Congress of Vienna.

Juliet Kaarbo . -James Lee Ray Global Politics, Wadsworth publishing 10 edition (Febuary 2010)chap 5 International Confilct p.162,163]

یہ مغربی دہشت گرد عالم اسلام کو امن کے اسباق پڑھا رہے ہیں اور علماء شہادت دے رہے ہیں کہ اسلام دہشت گردی کا حامی نہیں ہم دہشت گرد نہیں ان میں جرات نہیں کہ وہ کہہ سکیں کہ دہشت گرد تم ہو دنیا کو دہشت گردی کے تمام طریقے تم نے سکھائے ہیں تم اپنے اسلحے کے تمام کارخانے بند کر دو اور تلوار گھوڑے کا زمانہ واپس لے آؤ دہشت گردی ختم ہو جائے گی۔ امریکی دہشت گردی کے لئے ہارڈ ورڈ یونیورسٹی سے شائع ہونے والی مائیکل مین کی کتاب The Dark Side of Democracy پڑھیے کہ امریکہ نے پچاس سال میں دس کروڑ ریڈ انڈین کس طرح قتل کئے۔

آسیہ بی بی کے مسئلے کو امریکی صدر کی تقریر کے تناظر میں دیکھیے ——— اگر آسیہ بی بی کو پھانسی دی جاتی تو UNO پاکستان پر تجارتی پابندی عائد کرتا اس کی برآمدات بند کر دیتا اور UNO یا NATO کے ذریعے پاکستان کی تجارتی ناکہ بندی بھی کر سکتا تھا پاکستان پر حملے کی اسے بہرحال جرات نہ ہوتی کہ پاکستانی فوج دنیا کی چھٹی عظیم بری فوج ہے اور ایسی فوج ہے کہ اگر لڑنا چاہے تو امریکہ کو بھی شکست دے سکتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سیکولر مغربی قوانین بھی توہین رسالت کرنے والے مجرم اور

توہین رسالت کے مجرم کو قتل کرنے والے شہید کے درمیان فرق کرتے ہیں اور دونوں کے لئے اس کے رویے، طریقے، سزا و جزاء کے اصول یکسر مختلف ہیں۔ سپریم کورٹ نے آسیہ بی بی کے خلاف توہین رسالت کے مقدمے کی سماعت التواء میں رکھی لیکن ممتاز قادری کے خلاف مقدمے کی سماعت تیز رفتاری سے کر کے انھیں سزائے موت سنادی یہ رویہ بھی ریاست اور آئین کی ترجیحات کا تعین کر رہا ہے سیکولر آئین کے تحت بھی مراتب کا خیال رکھا جاتا ہے آسیہ بی بی نے آزادی اظہار رائے کا حق استعمال کیا جس کی ضمانت منشور حقوق انسانی نے دی ہے لہٰذا ان کی زندگی اہم ہے جبکہ ممتاز قادری نے اس آزادی کو چھیننے کا ارتکاب کیا ہے جس کی آزادی منشور حقوق انسانی میں نہیں دی گئی ہے لہٰذا آزادی کے متوالے کے مقدمے کی سماعت ملتوی رکھی گئی آزادی کے دشمن کو جلد پھانسی دے دی گئی امتیازی سلوک [Discrimination] یہاں بھی موجود ہے یعنی ہر تہذیب اور علمیت میں خواہ وہ جدید مغربی تہذیب اور اس کا منشور انسانی حقوق ہو__ اس میں بھی تمام انسان برابر نہیں ہوتے جو اس تہذیب کی علمیت پر اور عقیدے پر ایمان لاتا ہے اس کا مقام بلند ہوتا ہے جو اس عقیدے پر ایمان نہیں لاتا وہ کمتر ہوتا ہے مساوات عملاً ممکن ہی نہیں حیرت ہے کہ غامدی صاحب نے اس سلسلے میں کوئی اجتہاد پیش نہیں کیا۔

غامدی صاحب جیسے عقلی لوگ سوال اٹھائیں گے کہ توہین رسالتؐ کے قانون کی خلاف ورزی پر قتل کرنے کی عقلی دلیل کیا ہے۔ہم اجماع کو نہیں مانتے ہمیں عقل سے بتایا جائے۔سوال یہ ہے کہ کیا عقل ماخذ دین ہے اگر ہے تو اس کی نقلی یا عقلی دلیل پیش کی جائے پھر عقل سے بھی اسے ثابت کر دیا جائے گا ویسے غامدی صاحب کا اصول یہ ہے کہ (دانش) عقل پہلی وحی ہے اور قرآن دوسری وحی [افضال ریحان جاوید غامدی سے انٹرویوص ۵۸ مشمولہ اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب حریف یا حلیف لاہور دارالتذکیر ۲۰۰۴ء] اس علمی اصول کے ساتھ انہوں نے قرآن کی کوئی دلیل پیش نہیں کی ویسے بھی تاریخی طور پر یہ معتزلہ کا اصول ہے جو عقل کو پیغمبر باطن قرار دیتے ہیں معتزلہ کے اس اصول پر عالم اسلام میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں ہیں لہٰذا اس پر تنقید کی ضرورت نہیں۔ جاوید غامدی صاحب سرسید کے مکتب فکر کے آدمی ہیں جو خود کو معتزلی کہتے تھے ویسے بھی دنیا میں ہر دائرہ علم کے کچھ مقدمات، بدیہیات ہوتے ہیں اور اس دائرہ علم میں کلام کرنے کے لئے ان مقدمات پر ایمان لانا ہوتا ہے اس ایمان کی کوئی دلیل نہیں ہوتی سائنس اور ریاضی میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے [اس سلسلے میں تفصیلات کے لئے ہمارا مضمون **''ھر فرد مجتھد مطلق ھے : محترم ڈاکٹر نجات اللہ کی تحقیق''** کا مطالعہ فرمایئے]۔

جدیدیت کے سب سے بڑے فلسفی کانٹ سے پوچھا جائے کہ ہم آفاقی اخلاقی اصولوں کے فلسفے (C.I) کو عقل کی بنیاد پر کیوں قبول کرلیں تو وہ کہے گا Believe In Reason یعنی عقل پر ایمان لاؤ پہلے ایمان لاؤ پھر دلیل دیں گے۔مگر ایمان محتاج دلیل نہیں ہے کیوں کہ وہ take for granted اور self evedent evidence ہے بدیہی حقیقت ہے ، آفاقی سچائی ہے اس کی دلیل کیوں طلب کر رہے ہو بس اسے مان لو کانٹ کا مضمون What is Enlightenment پڑھ لیجئے اس میں کانٹ نے لکھا ہے کہ روشن خیال عقل مند انسان وہ ہے جو وحی، عالم ڈاکٹر کا انکار کرتا ہے اور ہدایت و روشنی کے لئے کسی خارجی ذریعے کی طرف نہیں دیکھتا انسان وہی ہے جو صرف اپنی عقل سے فیصلے کرتا ہے __ اس فلسفے کی کوئی عقلی دلیل کانٹ نے بیان نہیں کی یہ مضمون نیٹ پر موجود ہے۔

کانٹ بتائے گا کہ ایمان عقلیت سے ماوراء ہے اس ایمان کے بعد یعنی اس مابعدالطبیعیات سے ہمارے ذرائع علم نکلیں گے وہ ذرائع علم عقلیت اور تجربیت ہیں ان کے بغیر حقیقی علم کا حصول ممکن ہی نہیں۔لہٰذا اصل علم سائنسی علم ہی ہے اور اس پر ایمان لانا ہوگا۔

اس صدی کے سب سے بڑے سیاسی فلسفی John Rawls نے لبرل ازم کو زندہ کرنے کے لیے جتنی بھی دلیلیں دی ہیں وہ سب کی سب ایمانی دلیلیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ سرمایہ داری کے نظریہ لبرل ازم کے عقیدوں ،آزادی، مساوات، دستوری آئینی جمہوریت، پر ہم کیوں ایمان لائیں ۔ ان عقیدوں کی عقلیت [Rationality of Faith] ان عقائد کی عقلی توجیہہ کیا ہے تو اس سوال کا جواب دیتے ہوئے جان رالس کا شارح ڈربن اپنی کتاب "On Rawls & Political Liberalism" میں صاف صاف لکھتا ہے آئینی دستوری لبرل جمہوری روایات اور ریاست عہد جدید کا الحق اور الخیر [Suprem Good] ہے جس کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں اگر کوئی جاہل شخص لبرل دستوری جمہوریت جیسے معیاری، مثالی نظام میں زندگی بسر کرنے کے فوائد اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا تو میں یہ بات سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ایسے جاہل کو کس طرح سمجھایا جائے۔اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ ایسے شخص کو گولی ماردی جائے ایسے احمق جاہل شخص کے ساتھ مکالمے کی ضرورت نہیں ان موضوعات پر کسی کو دلیل دینے کی ضرورت نہیں کیوں کہ جمہوریت آزادی مساوات دستوری ریاست کو ہم بدیہی حقیقت، ناقابل تردید سچائی، امور لازم take for granted سمجھتے ہیں ایسی آفاقی حقیقتیں جن میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اس کے لئے دلائل کی ضرورت نہیں ڈربن لکھتا ہے:

What Rawls is saying is that there is in a constitutional liberal democracy a tradition of thought which it is

our job to explore and see whether it can be made coherent and consistent... We are not arguing for such a society. We take forgranted that today only a fool would not want tolive in such a soceiety... If one cannot see the benefits of living in a liberal constitutional democracy, if one does not see the virtue of that .ideal, then I do not know how to convince him. To be perfectly blunt,sometimes I am asked,when I go around speaking for Rawls, What do you say to an Adolf Hitler? the answer is [nothing]. You shoot him. You do not try to reason with him. Reason hasno bearing on this question. So I do not want to discuss it (Derben,Freeman Press USA 2003: 328-329)

اس صدی کا سب سے بڑا فلسفی گلز دلیوز جسے [Philospher of Desires] کہا جاتا ہے۔ جو سرمایہ دارانہ نظام کا سب سے بڑا ناقد ہے اور سب سے بڑا نقیب بھی جس نے ہسپتال کی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی مغربی تہذیب کے پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں، ایک خودکشی کرتی ہوئی تہذیب سے مسلمان ڈر رہے ہیں اور ہمیں اس مرتی ہوئی تہذیب سے مفاہمت پر مجبور کیا جا رہا ہے ____ دلیوز اپنی کتابوں میں صاف صاف سرمایہ داری کو ''ایک شیزوفرینک سسٹم'' لکھتا ہے وہ اپنی تحریروں میں جدید مغربی نظام کو فحش گالیاں دیتا ہے. واضح رہے کہ لبرل ازم، سوشل ازم، فاشزم، کمیونزم، فیمن ازم، نیشنل ازم، انارکزم، سب کے سب سرمایہ داری کے عقیدے کے نظریات ہیں۔ یہ تمام نظریات سرمایہ داری کو ___ ایمان اور عقیدے کی سطح پر قبول کرتے ہیں صرف اس کے اطلاقات [Applications] کے سلسلے میں ان نظریات کے مابین جزوی فقہی اختلافات ہیں۔ آزادی، مساوات ترقی پر اجماع ہے اس کے حصول کے طریقے مختلف ہیں۔ دلیوز کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ **سرمایہ دارانہ نظام عقلیت سے ماورا ھے اس میں ہر شے عقلی ھے سوائے سرمایہ [Capital] کے اور خود سرمایہ دارانہ نظام [Capitalism] کے یہ دونوں ماورائے عقل [Meta Rational] ھیں.** دوسرے معنوں میں اگر آپ سرمایہ داری پر ایمان لے آئیں تو آپ کو اس کی ہر چیز عقلی لگے گی مگر اس ایمان کی کوئی عقلی دلیل میسر نہیں۔

Everything is rational in capitalism, except capital or capitalism itself. The stock market is certainly rational; one can understand it, study it, the capitalists know how to use it, and yet it is completely delirious, it's mad.

Deleuze, G. (2009). Capitalism: A very special delirium. In F. Guattari, & S. Lotringer (Eds.), *Chaosophy: Texts and interviews, 1972-1977 (pp.35-52). Cambridge: MIT Press.*

معاشیات سوشل سائنس کا اہم ترین مضمون ہے لیکن تمام جدید سیکولر یونیورسٹیوں میں جدید علم معاشیات کے اصولوں، عقیدوں، ایمانیات، مابعد الطبیعیات کی کوئی عقلی دلیل نہیں دی جاتی تمام یونیورسٹیوں میں معاشیات کے عقیدوں پر تنقید تحقیق کی آزادی نہیں بلکہ ان پر ایمان لا کر ہی اس علم کی تدریس کی جاتی ہے جو ان عقیدوں پر تنقید کرے وہ امتحان میں ناکام قرار پاتا ہے۔ فرانس کی ایک جامعہ کا پروفیسر ایمریطس گلبرٹ رسٹ جو History of Development جیسی معرکہ آراء کتاب کا مصنف ہے اپنی کتاب The Delusion of Economics میں لکھتا ہے کہ وہ فرانس کی ایک جامعہ میں شعبہ معاشیات کے طلباء اور اساتذہ سے خطاب کے لیے گئے انہوں نے اپنی زیر طبع کتاب The Delusions of Economics: the Misguided Certainities of a Hazardous Science کے چند اہم تنقیدی مباحث اپنی تقریر میں پیش کیے معاشیات کے اصول پر رسٹ کی تنقید سے سب نے اتفاق کیا کوئی اعتراض سامنے نہیں آیا مگر اساتذہ کا جواب یہ تھا ہم آپ کے دلائل سے اتفاق کرتے ہیں مگر ہم معاشیات کے بنیادی اصولوں اس کی مابعد الطبیعیات اس کے اعتقادات و ایمانیات پر آپ کی تنقید طلباء کو نہیں پڑھا سکتے ہمارا کام صرف طلباء کو امتحان میں کامیاب کرانا ہے ہمارے طلباء کی امتحانی کاپیاں جانچنے کا کام بیرونی ممتحن حضرات کو دیا گیا تو وہ یقیناً ہمارے طلباء کو نصاب میں شامل معاشیات کے مسلمہ اصولوں سے انحراف پر مبنی جواب لکھنے کے باعث امتحان میں ناکام قرار دیں گے

A little story may not be out of place here. When I was invited to speak about the assumptions of economics to a hundred pupils preparing for their beccalaureate exam at a French lycee, I decided to present some of the theses in this book and was rewarded with an attentive audience and a number of interesting questions. Still I was rather afraid of how the teachers accompanying the pupils would react. What did they think of my critical arguments? their reply was disconcerting 'Of course we largely agree with your point of view, 'they said but, we can't teach it. Our job is to get our pupils through the bac. And

as their papers will be corrected by external examiners they would certainly fail if they deviated from the mainstream views in the syllabus. This is how a lack of critical spirit and ultimately ignorance are transmitted. [Gilbert Rrist., The Delusions of Economics, pg. 7]

سوال یہ ہے کہ جب مغرب والے اپنے باطل سائنسی علم معاشیات کے لیے کڑا تنقیدی رویہ [Critical spirit] اختیار نہیں کرتے اور اپنی جاہلانہ علمیت پر اصرار کرتے ہیں تو عالم اسلام کو اپنے منصوص احکامات میں تقلید کے بجائے اجتہاد کی ضرورت کیوں محسوس ہو رہی ہے؟ کیا کفار کا ایمان اپنے کفر پر۔ہم مسلمانوں سے بہتر ہے جو الحق کے علم بردار ہیں۔

معاشیات سائنسی علم ہے ارتقاء پذیر ہے اس میں اغلاط کا ہر لمحہ صرف امکان نہیں کامل یقین ہے اس پر تنقید ہو رہی ہے لیکن اس کے باوجود یونیورسٹی کے طلباء کو تنقیدی نقطۂ نظر اختیار کرنے کی اجازت نہیں مگر عالم اسلام کے تمام جدیدیت پسند مجتہدین منصوص احکامات پر تنقید کی اجتہاد کی آزادی دینے کی تحریک چلا رہے ہیں۔

Steve Keen اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ معاشیات کے اعلیٰ ترین عالمی تحقیقی علمی جریدوں میں کوئی ایسا مقالہ شائع نہیں ہوسکتا۔ جب تک وہ جدید معاشیات کے مفروضہ مسلمہ متفقہ اصولوں کے مطابق تحریر نہ کیا گیا ہو۔

It is almost impossible to have an article accepted into one of the mainstream academic economics journals unless it has the full panoply of economic assumptions: rational behaviour (according to the economic definition of rational!) markets that are always in equilibrium, risk as an acceptable proxy for uncertainty and so on. When it comes to safeguarding the channels of academic advancement little else matters apart from preserving the set of assumptions that defines economic orthodoxy. (Steve Keen Debunking Economics: The Naked Emperor of the Social Sciences London Zed Books 2007 (2004) p. 154),

دوسرے معنوں میں مغرب جو علوم کی توسیع ارتقاء کے لیے ہر علم پر اور خصوصاً مذہبی علوم، اور اصول پر تنقید کا مدعی ہے اپنے علوم کو ہر قسم کی تنقید سے ماوراء سمجھتا ہے اور کسی علمی تنقید کو جو اس کے اصولوں کے منافی ہو تسلیم کرنے پر تیار نہیں مگر اسلام کے اصولوں میں وہ مسلسل اجتہاد کی دعوت دے رہا ہے اور مغرب سے متاثر ہمارے متجددین مغرب کی اس دعوت اجتہاد کو قبول کر رہے ہیں کسی میں یہ جرات نہیں ہے کہ وہ مغرب سے کہے کہ تم جب اپنے عقلی متغیر سائنسی علوم کے مفروضات پر ایمان رکھتے ہو ان میں اجتہاد نہیں کرتے کسی کو ان کا تنقیدی جائزہ لینے کی اجازت نہیں دیتے، کسی علمی جریدے میں معاشیات کے اصولوں کے خلاف تنقیدی مضامین لکھنے کی بھی اجازت نہیں دیتے تو اسلام اپنے نقلی علوم کے اصولوں میں کیوں اجتہاد کرے؟

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مغرب کے اپنے غیر عقلی علوم اور عقیدوں پر کتنا اعتقاد، ایمان اور یقین ہے اور مسلمان اپنے علوم پر یقین کرنے کے بجائے اسے عقلی میزان پر تولنے کے لئے بے تاب ہیں۔

غامدی صاحب کی محدود عقلیت کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ایمان کی قوت کیا ہوتی ہے مغربی باطل، کفر اپنے ایمان کا اعلان کر رہا ہے اس پر دلیل دینے مباحثہ، مکالمہ کرنے اعتراض سننے کے لئے تیار نہیں ہے گولی مارنے قتل کرنے پر آمادہ ہے اور شہید ممتاز قادریؒ نے باطل کو گولی ماردی تو اس پر غامدی صاحب شرمندہ ہو رہے ہیں اور غامدی صاحب ایسے جابر، مکار دشمن___ مغرب___ سے مکالمے کی باتیں کر رہے ہیں۔

مغرب کے پاس عقلیت کے عقیدے [Faith of Reason] اور سرمایہ داری کے عقیدوں پر ایمان کی کوئی عقلی دلیل نہیں ہے۔ پوسٹ ماڈرن ازم نے تو عقلیت پر جدیدیت کے ایمان کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔

اسلام ہمیں نقل سے ملا ہے۔ وحی الٰہی کسی انسان کی تخلیق نہیں یہ عقل کُلی خالق حقیقی کا نازل کردہ علم ہے جو رسالت مآبؐ کے ذریعے اس امت کو نسل در نسل اجماع سے منتقل ہوا ہے۔ لہٰذا ماخذات دین پر کوئی سوال نہیں اُٹھایا جاسکتا اس پر اسی طرح ایمان لانا ہو گا جس طرح کانٹ، ڈیلیوز، ڈربن اور مغرب عقلیت اور سرمایہ داری پر ایمان لائے۔ عقل کلی کے عطا کردہ علم پر ایمان لانا ہی عقل سلیم کا تقاضا ہے مخلوق خالق سے دلیل عقلی کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

اسلام اور مغرب میں ایک بنیادی فرق ہے مغرب نے آزادی کے عقیدے کو اختیار کرنے کے بعد اس کو لامحدود کرنے کے طریقے [Maximization of Freedom] تلاش کیے۔ عالم اسلام میں آزادی کے عقیدے کو تحدیدات کے ساتھ [Limits of Freedom] قبول کیا گیا _____ مغرب تحدیدات کا

قائل نہیں عالم اسلام تحدیدات کے دائرے میں رہنا چاہتا ہے۔مغرب کا اعتراض یہ ہے کہ جب تم نے آزادی کو عقیدے کے طور پر تسلیم کرلیا تو اب تحدیدات[Limination] کا سوال بے معنی ہے۔جدید تہذیب مادی ہے اس کے دائرۂ علم میں صرف اسی عمل کی توجیہہ ممکن ہے جو مادیت سے متعلق ہے وہ معاملات جو مادیت سے ماورا ہیں ان کو سمجھنا اور ان کی توجیہہ اس تہذیب اور اس کی علمیت کے لیے ممکن نہیں۔لہٰذا جدیدیت سلمان تاثیر کے عمل کی توجیہہ بیان کرسکتی ہے جو عقلی ہے۔ مگر ممتاز قادری کے عمل کی توجیہہ بیان کرنا اس کے لیے ممکن نہیں کیوں کہ وہ عمل اس کے علم کے مطابق غیر مادی ہے روحانی ہے اور غیر عقلی ہے۔سلمان تاثیر آسیہ بی بی کو مذہب کے جبر سے آزاد کرار ہا تھا۔ممتاز قادری سلمان تاثیر پر مذہبی جبر نافذ کررہے تھے____ مغرب کے دائرہ علم میں آزادی کا جبر عین الحق، الخیر اور عقلی [Compulsion of Freedom is Rational] ہے۔لیکن مذہب کا جبر غیر عقلی [Compulsion of Freedom is irrational] ہے۔

جبر ہر تہذیب، عقیدے اور ایمان کے دائرے میں لازم ہے جس عقیدے نظریے، ایمان کے ساتھ جبر نہ ہو وہ الحق نہیں کھیل تماشہ ہے لفظی گورکھ دھندہ ہے [Language Game] ہے جس کے لیے کسی قانون، تحدید، سختی کی ضرورت نہیں۔مغرب صرف آزادی کے ایمان اور عقیدے کے لیے جبر کو ناگزیر سمجھتا ہے کسی دوسرے عقیدے کے لیے جبر نا جائز اور حرام ہے کیونکہ آزادی Freedom ہی الحق، الخیر ہے اس کے سوا سب باطل ہے لہٰذا باطل کو قوت سے نافذ کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی الحق کے لئے ہر قسم کی قوت استعمال کی جاسکتی ہے۔

اسلام میں کائنات کا مرکز اللہ [God Centric Universe] ہے یہ کائنات اور یہاں موجود مخلوق خالق کائنات کے علم، رضا، اور خوشنودی کی طالب ہے۔جدیدیت میں یہ کائنات خدا مرکز نہیں انسان مرکز [Anthro Pocentric Universe] ہے۔یہ دو متضاد نقطۂ ہائے نظر ہیں اگر کائنات خدا مرکز ہے تو اس کائنات میں انسان کا ہر عمل خدا کی مرضی کے تابع ہوگا۔مغرب نے انسان کو مرکز کائنات بنا دیا۔یعنی اب اس کائنات میں انسان ہر مسئلے کا حل ہر الجھن کا فیصلہ اس بنیاد پر کرے گا کہ انسان کیا چاہتا ہے دوسرے معنیٰ میں خدا کی جگہ انسان نے لے لی اور افادیت پرستی، لذت پرستی اور نتائجیت پرستی کے نظریات آگئے____ نقطۂ نظر کی اس تبدیلی کے بارے میں نطشے نے کہا تھا خدا مر گیا ہے (نعوذ باللہ) فوکالٹ نے اس نقطۂ نظر کو توسیع دے کر کہا کہ انسان بھی مرچکا ہے۔لہٰذا ایمان سے محروم اس مردہ کائنات میں ہم مادی زندگی کو اہم سمجھ رہے ہیں روحانی زندگی غیر اہم ہوگئی ہے۔

سب سے اہم کام اس زمین پر زندگی کی حفاظت نہیں بلکہ ایمان کی حفاظت ہے۔وہ زندگی جو ایمان کی نعمت سے محروم ہے زندگی نہیں زندگی کا کفن ہے۔ممتاز قادریؒ نے زمین پر ایمان کی حفاظت کے لیے دوسرے کی جان لی اور اپنے ایمان کی شہادت دینے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کیا۔ایمانی زندگی اسی جدوجہد کا نام ہے۔قرآن نے یہ بات واضح کردی ہے کہ اہل ایمان پہلے مارتے ہیں اور پھر مرتے ہیں وَقَاتَلُو وَقُتِلُو اور پھر حیات جاوداں پاکر اللہ کے حضور حاضر ہوجاتے ہیں۔

اصلاً مغرب اور اسلام کے مابین جنگ علم' عقیدے اور ایمان کی جنگ ہے دونوں کی مابعد الطبیعیاتی اساسات یکسر مختلف ہیں دونوں کے ماخذات علم مختلف ہیں دونوں میں مکالمہ ممکن نہیں اس صدی کا بہت بڑا فلسفی رچرڈ رارٹی صاف صاف لکھتا ہے کہ اسلام سے، بلکہ اسلامی جدیدیت پسندوں سے بھی____ یعنی سرسید، یوسف قرضاوی، جاوید غامدی، طارق رمضان سسٹر آف اسلام ملائیشیا، طاہر جابر العلوانی، یاسر قاضی، حمزہ یوسف، وحیدالدین خان، عمار خان ناصر، عیسیٰ منصوری جیسے نام نہاد روشن خیال اسلامی مفکرین سے بھی مکالمہ ممکن ہی نہیں وہ کہتا ہے:

There was no dialogue between the philosophers and the Vatican in the eighteenth century, and there is not going to be one between the mullahs of the Islamic world and the democratic West. The Vatican in the eighteenth century had its own best interests in mind, and the mullahs have theirs. They no more want to be displaced from their positions of power than the Catholic hierarchy did (or does). With luck, the educated middle class of the Islamic countries will bring about an Islamic Enlightenment, but this enlightenment will not have anything much to do with a "dialogue with Islam."[A dialogue between American State philosopher Richard Rorty and Gianni Vatimo from page 72 to 75 Columbia University Press, New York

ممتاز قادری شہید کے حوالے سے اسلامی اور سیکولر اور پاکستانی قوانین کی بحث کے دوران چند اہم امور پر تحقیقی نظر کرنے کی ضرورت ہے۔اسلامی علمیت تہذیب اور ریاست میں قوانین اور فیصلوں کا مرکز جدید ریاست کی طرح اوپر سے نیچے کی طرف نہیں آتا بلکہ نیچے سے اوپر کی طرف [vertical] جاتا ہے۔عدالتیں مختلف علماء کی

آراء سے مستفید ہوتی ہیں قاضی ان علماء کی آراء کی روشنی میں کسی نتیجے پہنچتا ہے فتویٰ نویسی کی تاریخ ایک غیر معمولی عبقری تاریخ ہے اس کے روحانی ایمانی اور علمی تحقیق و تاریخی پہلو کے مطالعے کے لیے قدیم کتابوں میں ادب المفتی والمستفتی اور خلافت عثمانیہ کے شیخ الاسلام کی لکھی ہوئی شرح شرح الایضاح میں درج نادر اصول افتاء اور جدید کتابوں میں اصول الافتا و آدابہ کا مطالعہ مفید رہے گا اور فتویٰ کے واقعاتی، تجزیاتی، معلوماتی اور تحلیلی پہلو کے مطالعے کے لیے ڈاکٹر خالد مسعود کی مرتبہ کتاب (Islamic Legal Interpretation Muftis and Their fatwas (Harvard Studies in Islamic Law نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ڈاکٹر خالد مسعود صاحب نے افتاء کی تاریخی تحقیق سے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ درست نہیں مثلاً ان کا یہ دعویٰ کہ علماء کو ریاست سے الگ رہنا چاہیے درست نہیں کیونکہ قاضی خود عالم ہوتا ہے اور بادشاہ بھی عموماً عالم ہی ہوتا ہے اسلامی ریاست چلانے والے علماء ہوتے ہیں جاہل نہیں ہوتے مامون کی علم فقہ میں غیر معمولی دسترس جس پر بڑے بڑے فقہاء حیران رہ گئے اس رسوخ کی شہادت شبلی کی ''المامون'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔اسلامی تاریخ کے بے شمار بادشاہ عالم دین تھے اسلامی علمیت میں اسی لیے صرف امامت صغریٰ کا مستحق ہی امامت کبریٰ کا مستحق ہے جو مصلے پر کھڑے ہو کر امامت کے قابل نہیں وہ تخت حکومت پر فائز ہونے کے بھی قابل نہیں۔

اسلام کا قانون مغربی سیکولرازم کے عقلی، فطری قانون کی طرح جابر نہیں کیونکہ اسلامی قوانین مغربی قوانین کی طرح Codify اور Rigidify نہیں ہیں ان میں لچک ہے جس کا فیصلہ وقت کا پیغمبر اسلامی ریاست کا قاضی اور حکمران خود کسی واقعے کے تناظر میں کرسکتا ہے۔

حضرت حاطب ابی بلتعہؓ نے فتح مکہ سے پہلے ایک خط کے ذریعے مکہ میں کچھ لوگوں کو بعض مصلحتوں کے تحت اطلاع دینی چاہی وحی کے ذریعے رسالت مآب تک اطلاع پہنچی عورت کو حضرت علیؓ نے راستے میں پکڑ لیا اس کے بالوں سے خط برآمد ہوا حضرت حاطب ابی بلتعہؓ کو کوئی سزا نہیں دی گئی رسالت مآبؐ نے فرمایہ یہ بدری صحابی ہیں انہیں معاف کردیا گیا یہ اسلامی قانون کی قوت، ندرت اور وسعت ہے جو مساوات کے عقیدہ کو نہیں مانتا اسلامی ریاست مغرب کی طرح ۴۶ فی صد ٹیکس نہیں لے سکتی احادیث میں ٹیکس لینے والے کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی تقسیم کے ذریعے ریاست کو لوگوں کے مال سے بالکل لاتعلق کردیا گیا ہے جدیدیت کے تمام قوانین لوگوں پر ٹیکس لگانے کے سوا کچھ نہیں کرتے یہ جبر کی بدترین مثال ہے اسی لئے کوئی ایک شخص بھی پاکستانی ریاست کو ٹیکس دینا پسند نہیں کرتا لیکن متجددین کہہ رہے ہیں کہ اس ریاست کو زکوۃ بھی دے دو اسلامی قانون مال میں بھی جبر کا قائل نہیں۔

سنن نسائی اور سنن ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث کے مطابق ایک نابینا صحابہؓ کی ایک لونڈی تھی اکثر رسول اللہ ﷺ کو برا کہتی۔نابینا صحابی اسے بار بار ڈانٹتے لیکن وہ باز نہ آئی۔ایک رات اس نے پھر رسول ﷺ کا تذکرہ کیا اور آپؐ کو برا کہنے لگی۔نابینا صحابیؓ سے ضبط نہ ہوسکا انہوں نے تکلا اٹھایا اور اس کے پیٹ پر رکھ کر دبا دیا یہاں تک کہ وہ مرگئی—— امام ابن تیمیہؒ اس روایت پر لکھتے ہیں کہ وہ عورت نابینا صحابی کی منکوحہ تھی یا مملوکہ لونڈی، ان دونوں صورتوں میں اگر اس عورت کا قتل ناجائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ فرمادیتے کہ اس کا قتل حرام اور وہ معصوم الدم تھی، پھر آپؐ معصوم الدم کو قتل کرنے پر کفارہ لازم کرتے۔لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا بلکہ آپؐ نے فرمایا (الا شہدو ان دمہا ھدر) تم سب گواہ رہنا اس لونڈی کے خون کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔اس معاملے میں جدید قانون کے تقاضے پورے نہیں کئے گئے استغاثہ پیش نہیں ہوا ملزم کو صفائی کا موقع نہیں دیا گیا اسلامی قانون مغرب کے قانون کی طرح بے لچک نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے اسی سنت رسول کے مطابق عمل کیا آپؐ کے زمانے میں ایک شاتم رسولؐ کو ایک صحابی نے قتل کردیا ریاست عدالت خلافت اسلامی موجود تھی حضرت عمر نے تحقیق کی شاتم رسولؐ کا شتم ثابت ہوگیا تو آپ نے صحابی پر حد جاری نہیں کی نہ قصاص اور دیت کا مطالبہ کیا__ شان رسالت مآبؐ اس قدر اہم ہے کہ عدالت اور ریاست کے بغیر ایک اقدام کی معقول وجوہات پیش کردی گئیں تو اسے تسلیم کرلیا گیا لیکن حضرت عمرؓ کے صاحب زادے نے آپ کے قاتل لولو کو قتل کردیا تو حضرت عثمانؓ نے قاتل کے ولی کو قصاص لینے کا حکم دیا اسلامی قانون صرف ان دونوں طریقوں سے نہیں بلکہ مختلف حالات میں کئی طرح سے عمل کرتا ہے۔اس میں لچک ہے گنجائش ہے یہ اسلام کی وسعت اور جامعیت ہے۔اسلام مغربی سیکولر قانون کی طرح جابرانہ نہیں ہے۔

حضورؐ کے پاس قبیلہ غامدیہ کی ایک عورت آئی اور اس نے زنا کا اعتراف کیا مگر آپ نے اسے تین مرتبہ واپس کردیا نہ اسے گرفتار کیا نہ اسے دوبارہ آنے پر مجبور کیا۔نہ اس کی نگرانی کا نظام قائم کیا نہ اسے دارالامان کی حفاظتی تحویل میں دیا نہ اس کے قبیلے کو حکم دیا کہ تم اسے حفاظتی تحویل میں رکھو پھر ہمارے سامنے اس مجرم کو پیش کرو۔رسالت مآبؐ نے کوئی جیل قائم نہیں کی نہ ملزمہ کو جیل بھیجا نہ اس سے شخصی ضمانت یا ذاتی مچلکہ یا کسی فرد کی ضمانت لی کہ یہ فرار نہ ہوجائے۔آپؐ نے کوئی دارالامان قائم نہیں

کیا جہاں یہ عورت مقیم رہے آپؐ نے اسے رعایت دی کہ وہ اعتراف جرم کے باوجود اپنے گھر لوٹ جائے۔ کیا آج کی عدالت رسالت مآبؐ کی طرح یہ رعایت دے سکتی ہے یا اس طرزِ عمل کا تصور بھی کر سکتی ہے یہ اسلامی ریاست اور سیکولر ریاست کے قوانین کا بنیادی فرق ہے۔

کیونکہ اسلامی ریاست وہ شخصیت، انفرادیت، ماحول تعلیم، تبلیغ، تدریس، تلقین، معاشرت، روحانیت، تزکیہ نفس کا نظام بھی پیدا کرتی ہے جس کی موجودگی میں قوانین کے نفاذ کے لئے جیل خانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس واقعے سے اسلامی قانون کی لچک کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ روایتی تہذیبوں میں سیدھے سادے قوانین کے باعث جیل خانے نہیں ہوتے تھے اور نہ اتنے بڑے پیمانے پر لوگ مجرم ملزم ہوتے تھے۔ روایتی تہذیبوں میں اور اسلامی تاریخ میں نہ ہوٹل ملیں گے نہ ریسٹورنٹ، نہ ہسپتال، نہ یتیم خانے، نہ پاگل خانے، نہ ڈے کیئر سینٹر، نہ اولڈ ہوم، نہ جیل خانے۔ یہ سب مغرب کی گمراہ کن جدید تہذیب اور آزادی کے عقیدے کے نتائج ہیں۔ اسلام مغرب کی طرح جابر نہیں ہے جہاں آزادی کے نام پر سب سے زیادہ جبر ہے۔ تاریخ انسانی کے سب سے زیادہ مجرم، نفسیاتی مریض، پاگل، قاتل، وحشی مغرب نے پیدا کئے ہیں امریکہ کی جیلوں میں اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ چھبیس لاکھ لوگ قید ہیں —— پوری تاریخ انسانی میں اتنے پاگل نہیں ملیں گے جتنے پاگل آج مغرب کے پاگل خانوں میں موجود ہیں آزادی مساوات ترقی کے عقیدوں نے پاگلوں کی نسلیں پیدا کر دی ہیں اور مغرب مذہبی لوگوں کو پاگل کہہ رہا ہے۔

وائل بی حلاق نے اپنی دو کتابوں میں اسلامی قوانین کی لچک، وسعت، فراخی پر تاریخ اسلام سے نادر معلومات جمع کی ہیں 1- Shariah Theory & Practice (2) An Introduction to Islamic Law

ہماری عدالت کے ججوں اور علماء کو ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ جاہل لبرل حلقوں کو یہ تک معلوم نہیں کہ سخت ترین اسلامی قوانین بھی نہایت نرم ہیں اور لچک رکھتے ہیں ان قوانین کے اطلاق اور نفاذ میں ریاست کی طاقت کا استعمال بہت کم ہوتا ہے۔ انگریز جب ہندوستان میں آئے تو انھوں نے شروع شروع میں مغلیہ سلطنت کے تحت چلنے والے اسلامی قوانین میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی لیکن انہیں جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ ان قوانین کے ذریعے ریاست کی آہنی گرفت عوام پر قائم نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ یہ اسلامی قوانین بہت نرم ہیں اور ان کے اطلاق میں ریاست و حکومت کا عمل دخل بہت کم اور معاشرے معاشرت، رواج، Customry Law کا عمل دخل بہت زیادہ ہے اگر شرع نافذ رہے گی تو سختی نہیں ہو گی قتل کے معاملے میں معافی کا حق ریاست کے پاس نہیں مقتول کے ولی کے پاس ہے جدید سیکولر ریاست میں یہ حق صدر کو دیا گیا ہے یعنی اختیار کا مرکز فرد سے چھین کر صرف فرد واحد کے ذریعے ریاست کے سپرد کر دیا گیا۔

شرعی قوانین کے تحت ایک ہی طرح کے مقدمات میں کئی طرح کے فیصلے ہو سکتے تھے کیوں کہ قوانین میں لچک تھی لہٰذا فیصلوں میں یکسانیت کے بجائے تنوع تھا اور انصاف کا حصول بہت سہل تھا مغرب نے علم، قانون اداروں سب کو عالمگیر [Universlize] کرنے کی کوشش کی جو یکسانیت Uniformity کی طرف لے جاتی ہے تنوع Diversity کا خاتمہ کرتی ہے اور یک رنگی Homogenity پیدا کرتی ہے اسلام کے عالمگیر قوانین تنوع رکھتے ہیں ان حقائق کی روشنی میں انگریزوں نے ان اسلامی قوانین کو منسوخ کر کے برطانیہ کے سخت ترین قوانین نافذ کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ انگریزی اقتدار کی گرفت ہندوستانی عوام پر سخت سے سخت ترین ہو سکے یہ بات Bernard S. Cohn نے اپنی معرکہ آراء کتاب Colonialism & Its Forms of Knowledge میں نہایت شرح و بسط اور حوالوں سے ثابت کی ہے۔ انیسویں صدی کے آغاز میں استعماریت کا مقدمہ یہ تھا کہ شرعی قوانین کے ذریعے معاشرے پر ریاستی جبر قائم نہیں ہو سکتا نہ قائم رہ سکتا ہے شہری قانون کی گرفت سے باہر اور ریاست کے شکنجے سے محفوظ رہتے ہیں لہٰذا شرعی قوانین کی جگہ جدید سیکولر اینگلو سیکشن لا نے لے لی تا کہ ریاستی جبر معاشرے کی نچلی سطح تک مسلط کر کے لوگوں کو آزادی کے نام پر غلام بنا لیا جائے لیکن صرف تیس سال کے عرصے میں مغرب نے اس حقیقت کو یکسر بدل دیا کہ اسلامی قوانین جبر قائم نہیں کرتے۔

وائل حلاق لکھتا ہے کہ اب مغرب کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ شریعت اور شرعی قوانین کے نفاذ کا مخالف صرف اس لیے ہے کہ ان شرعی قوانین کا اثر معاشرے پر نہایت جابرانہ ہے تمام شرعی قوانین جبریت پیدا کر کے فرد کی آزادی چھین لیتے ہیں لہٰذا معاشرے کو جبر و تسلط سے بچانے کے لیے شریعت کے قانون سے حتی المقدور بچنا ضروری ہے کل تک اسلام کے قوانین بہت نرم تھے اور استعمار ان قوانین کے ذریعے اپنا جبر قائم کرنے میں ناکام رہا اور جب اس کا جبر انگریزی قانون سے قائم ہو گیا تو اس نے شریعت کو بھی جبر کا نظام ثابت کرنے کی کوشش کی۔ جدید ذہن اسی طرح ارتقاء کے نام پر نتائج فکر بدلتا رہتا ہے۔

جدید سیکولر عدالت صرف آئین کی پابند ہے آئین کے مطابق مقننہ پارلیمنٹ قوانین [Laws] بنانے کی پابند ہے جب تک کسی کام سے روکنے کی ممانعت

قانون نہیں کرے گا وہ کام جائز تصور کیا جائے گا لہٰذا قانون کا اطلاق موثر بہ ماضی [Retrospective effect] نہیں ہوسکتا۔اسلامی تہذیب میں قوانین بہت کم ہوتے ہیں صرف اخلاقی قانون ہوتا ہے جو دینی حمیت وغیرت و معاشرت کی قوت پر چلتا ہے۔اس لیے کسی باقاعدہ ضابطے قاعدے حکم کی ضرورت نہیں ہوتی مثلاً ماں باپ کی خدمت کرنے ان کو گھر میں رکھنے کا کوئی باقاعدہ قانون شریعت میں موجود نہیں ہے مگر سب اس اخلاقی قانون کی اس طرح پیروی کرتے ہیں جیسے اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں سخت ترین سزا ملے گی حالانکہ ماں باپ کی خدمت اسلامی تہذیب میں اور تمام روایتی تہذیبوں میں آخرت میں کامیابی کے عقیدے کے تحت کی جاتی ہے ریاستی سزاؤں کے خوف اور تعزیر کے ڈر سے نہیں کی جاتی۔جدید دستوری وآئینی ریاست میں اگر کوئی شخص ماں باپ کی خدمت کرنے سے انکار کردے انھیں گھر سے نکال دے اور ماں باپ جدید سیکولر عدالت سے رجوع کریں تو وہ کہے گی چونکہ قانون میں آپ کی اولاد کا عمل غیر قانونی نہیں قانون ان پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا ماں باپ کی خدمت کرنا پاکستانی قانون کے تحت لازمی نہیں ہے لہٰذا ہم کچھ نہیں کرسکتے اسی لیے بھارت اور چین میں حکومت کو Parents Protection Act بنانے پڑے اب اگر کوئی گھر سے ماں باپ کو نکالے تو یہ جرم ہے اور جن کو اس قانون بننے سے پہلے اولاد نے نکال دیا ان کا کچھ نہیں ہوسکتا۔پاکستانی عدالت کے جج بھی یہی بات کہہ رہے ہیں اور جدید سیکولر آئینی اصولوں کی روشنی میں ان کی دلیل درست ہے مگر اسلامی شریعت کی روشنی میں یہ استدلال باطل ہے اگر اسلامی عدالت کے قاضی کے پاس ماں باپ کو گھر سے نکالنے کا مقدمہ جائے تو وہ سخت سے سخت سزا دے سکتا ہے واضح رہے کہ اسلامی تاریخ میں ایسا کوئی مقدمہ عدالت میں کبھی نہیں گیا اسلامی علمیت قانون کے الفاظ پر نہیں قانون کی روح اور اسلامی علمیت کی کلیت اور اس کے جوہر [Totality/ Essence] کے تحت فیصلہ کرتی ہے لہٰذا کسی مختصر سی آیت سے علم کے ہزاروں نئے دائرے نکل آتے ہیں۔جدید تعلیم کے نتیجے میں ماں باپ اولاد کو ڈے کیئر سینٹر میں رکھتے ہیں لہٰذا اولاد ان کو اولڈ ہوم میں بھیجتی ہے سرسید نے ہندوستان میں جدید تعلیم کا آغاز کیا انتقال سے تین مہینے پہلے سرسید کے بیٹے جسٹس سید محمود نے سرسید کو ان کے گھر سے نکال دیا سرسید کے سامنے ان کی سیکولر تعلیم کا نتیجہ زندگی میں آگیا۔

اسلامی عدالت کا قاضی سیکولر عدالت کے جج یا غامدی صاحب کی طرح یہ نہیں کہے گا کہ قرآن وسنت میں ماں باپ کو گھر سے نکالنے کے جرم کی دنیا میں سزا متعین نہیں کی گئی البتہ آخرت میں شاید سزا مل سکتی ہے ملکی قانون میں بھی ماں باپ کی خدمت نہ کوئی جرم نہیں ہے نہ اس جرم کی کوئی سزا مقرر کی گئی ہے۔لہٰذا عدالت کسی کو ماں باپ کی خدمت نہ کرنے پر کوئی سزا نہیں دے سکتی سزاؤں کے بارے میں غامدی صاحب کی یہ اصولی تحقیق میزان کے قانون سیاست میں پڑھ لیجیے اور اس کی تفصیل مقامات میں ملاحظہ کیجیے جہاں وہ لکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست صرف اور صرف نماز اور زکوٰۃ کے لئے جبر کرسکتی ہے سزا دے سکتی ہے اس کے سوا ریاست صرف تبلیغ تعلیم تلقین کرے۔

امت کا اجماع ہے کہ باپ اگر اولاد کو قتل کردے تو اس سے قصاص نہیں لیا جاسکتا رسول اللہؐ اس دنیا میں دین کا واحد ماخذ ہیں۔اگر شہید ممتاز قادری نے اس امت کے روحانی باپ رسالت مآبؐ کی شان کو بچانے کے لئے علماء کے فتویٰ کی موجودگی میں اور اس امت کی روایت کے مطابق سلمان تاثیر کو قتل کردیا تو انہیں قصاص میں قتل نہیں کیا جاسکتا تمام مکاتب فکر کے علماء کی ذمہ داری تھی کہ وہ عدالت سے کہتے کہ اگر ممتاز قادری کو قتل کرنا ضروری ہے تو ہم سب کو پھانسی منظور ہے صرف ممتاز قادری کو پھانسی نہ دو وہ اس مقدمے میں فریق بنتے جس مقدمے میں پانچ سو لوگ فریق ہوں وہ قتل کا نہیں بلوے کا مقدمہ بن جاتا ہے اور بلوے کے مقدمے میں کسی کو پھانسی نہیں ہوسکتی ہمارے وکلاء قانونی طریقہ بھی نہیں جانتے۔اگر ہمارے علماء اپنی علمیت کو الحق اور الخیر سمجھتے ہیں اگر ان کا ایمان سلامت ہے تو انہیں اسی طرز عمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے وہ ایمان جو اپنے وجود کی شہادت اپنے خون سے تحریر نہ کرے بلکہ ہمیشہ مصلحتوں، مصالحتوں، مذاکرات اور حکمرانوں کے خفیہ دعدوں کے دائرے میں محصور ہے وہ ایمان نہیں نفاق ہے اور نہایت بڑا نفاق دین کی حفاظت، نصرت، کا فریضہ اب علماء کے بجائے عوام نے سنبھال لیا ہے جس کے نتیجے میں معاشرتی قوت کی حرکیات (Dynmics of social Power) میں بنیادی تغیر پیدا ہورہا ہے اور معاشرتی رویوں میں بھی تہلکہ خیز تبدیلی آرہی ہے۔حرکیات بدلنے کے نتیجے میں قوت کی سمت داخل [Internal] کے بجائے خارج [External] کی طرف ہوگئی ہے ____ دین کی علمیت کی حفاظت جب علماء اپنے لہو سے کرتے ہیں تو عوام کو میدان میں اترنے کی ضرورت نہیں رہتی۔امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ نے اپنے لہو سے دینی علمیت کا چراغ روشن رکھا۔لہٰذا کسی مقتدی کو علماء کا فریضہ ادا کرنے کے لیے جلسہ اور جلوس کرنے کی ضرورت نہیں پڑی لیکن جب علماء خود خوف کی چادر اوڑھ لیں جان دینے سے گریز کریں اور حق کی شہادت دیتے ہوئے ان کے ہونٹ لرز رہے ہوں اور دل کانپ رہے ہوں تو عامی دوسروں کی جان لے کر دین کو زندہ کرتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے اپنی پیٹھ کوڑوں کے لیے اور اپنی گردن قتل کے لیے پیش کی اور اپنے شاگردوں کو ریاستی استبداد سے محفوظ رکھ کر دین کے علمی ورثے کی حفاظت کے لیے اپنی علمی سپاہ کو محفوظ رکھا۔انھوں نے ریاست کے خلاف خروج، بغاوت کی اجازت نہیں دی۔نہ احتجاجی، ملامتی، علامتی، سیاست کو اختیار کیا۔امام احمد حنبلؒ نے اپنی پیٹھ

کوڑوں کے لیے پیش کی مگر ریاست کے خلاف بغاوت، خروج کی اجازت نہیں دی۔ کسی امام نے اپنے حامیوں کو جلسے، جلوس بیان بازی اور حکومت وقت کو دھمکیاں دینے کے لیے نہیں بلایا۔ علماء کے اس کردار اور قربانیوں نے دین کو ہمیشہ زندہ رکھا اس حکمت عملی نے علماء کے علمی وارثوں اور امت کو حکمرانوں کے استبداد سے بھی محفوظ رکھا اس کے نتیجے میں انہی ظالم حکمرانوں کی اولاد نے انہی علماء کے شاگردوں کے ذریعے دین کی نصرت کا عظیم کام انجام دیا۔

اسلامی تاریخ میں قوت کے مظاہرے کا طریقہ جلسہ، جلوس، ہڑتال، فیس بک، پمفلٹ، پوسٹر، تصویری اشتہارات، نعرے بازی، خطابت، دھرنے، فساد، جھگڑے، گھیراؤ جلاؤ، اشتہار بازی، اخباری بیانات، دھمکیاں نہیں ہیں معتزلہ کا مقابلہ امت نے کس طرح کیا؟ فاطمیئن مصر کی حکومت دو سو سال تک رہی۔ اہل سنت مکتب فکر کے تمام مدارس بند کردیے گئے مگر اس صورت حال کا مقابلہ جلسہ جلوس سے نہیں کیا گیا۔ علماء اگر فیصلہ کرلیں کہ وہ مصلحت و مصالحت ختم کر کے کلمۂ حق بلند کریں گے اور کسی کو قتل کرنے کے بجائے اپنے آپ کو ریاست کے سامنے قتل کے لیے پیش کریں گے تو پاکستانی ریاست کی تمام اسلام دشمن سرگرمیاں چند لمحوں میں ختم ہوجائیں گی۔ اور زمین و آسمان میں زلزلہ برپا ہوجائے گا۔ خیر القرون سے لے کر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی تک، ۱۹۵۳ء کی قادیانی تحریک سے لے کر ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفےٰ تک علماء نے آگے بڑھ کر جان کا نذرانہ پیش کر کے عوام کو جان لینے کے عمل سے دور رکھا تھا ــــــــ اب علماء نے یہ روایت ترک کردی ہے لہٰذا عوام نے علماء کی جگہ سنبھال لی ہے عوام کے پاس علمیت نہیں ہوتی ایمان اور جذبہ ہوتا ہے اب صرف جذبہ اور ولولہ اس امت کے ایمان کی حفاظت کررہا ہے۔

اس امت کی تاریخ یہ ہے کہ جب اس کے علماء، فقہا، بڑے لوگ کفر کی آندھیوں میں ایمان کے چراغ جلا کر خود کھڑے ہوتے ہیں اور خود قتل ہوتے ہیں تو امت کے ایمان کی حفاظت ہوتی ہے جب علماء یہ ذمہ داری پوری نہیں کرتے ان میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ کی طرح کوئی کوڑے کھانے کے لئے اپنی پیٹھ اور شہادت کے لئے اپنا جسم پیش نہیں کرتا تو پھر امت کے عامی دوسرے کی جان لے کر امت کے ایمان کی حفاظت کرتے ہیں ــــ اگر علماء دین کے لئے جان دینے کی قدیم روایت کا احیاء کریں تو عوام لوگوں کی جان لینے کا عمل ترک کردیں گے لیکن ایک عمل متروک ہوگا تو اس امت کی روایت کے مطابق دوسرا عمل جاری رہے گا۔ امت کے ایمان کی حفاظت اسی طرح سے ہوتی رہے گی۔ جب بھی علماء، اسلامی، طاقت، حکومت، طاقت کے مراکز، مصلحت اور مفادات کے باعث دینی فرائض ادا کرنے میں غفلت، تساہل، تامل، تغافل کا مظاہرہ کریں گے تو رسالت مآبؐ کے امتی اپنے سروں کے چراغ لے کر راہ ایمان کو روشن رکھیں گے۔ شہید ممتاز قادری امت کی اجماعی، متفقہ، مشترکہ علمیت پر عمل کی علامت ہے۔ انہوں نے اپنے لہو سے اس علمیت کو زندہ کیا ہے جو علماء کی آئینی، قانونی مصلحتوں کے باعث اس امت کے لیے اجنبی ہوگئی تھی۔

دارالاسلام یا دارالحرب میں کسی مسلمان کی جانب سے ریاست کے بغیر حد یا تعزیر جاری کرنے کے اہم ترین سوال پر غامدی صاحب نے فرمایا کہ اس موضوع پر میں میزان، برہان اور مقامات میں دین کا موقف تفصیل سے لکھ چکا ہوں دارالحرب میں تو کسی مسلمان کیا کسی مسلم ریاست کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ وہاں کے شہریوں پر اسلامی قوانین یا حدود و تعزیرات کا اطلاق کرے کیوں کہ دار بدلنے سے احکامات بدل جاتے ہیں یہ امت کا اجماعی اصول ہے۔ اسی اصول کی بنیاد پر میں نے اور دیگر علمائے کرام نے امام خمینی کی جانب سے جاری کیے گئے سلمان رشدی کے قتل کے فتوے کی علمی بنیاد پر مذمت کی تھی کہ رشدی دارالحرب کا شہری ہے اور دارالحرب میں اسلامی احکامات کا نفاذ اور اطلاق نہیں ہوسکتا اسلامی احکامات دارالاسلام کے لئے ہیں لہٰذا ممتاز قادری کو سلمان تاثیر کو سزا دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ حدود و تعزیرات کا حکم مسلمانوں کو ان کی انفرادی حیثیت میں نہیں بلکہ پورے مسلمان معاشرے کو دیا گیا ہے اور یہ حکم نظم اجتماعی سے متعلق ہے یہ بدیہی بات ہے یہی وجہ ہے کہ ان کا حکم ہی قرآن کی ان سورتوں میں بیان ہوا ہے جو اس وقت نازل ہوئیں جب یثرب کا اقتدار رسول اللہ ﷺ کو منتقل ہوچکا تھا اور مسلمانوں کی ایک باقاعدہ حکومت وہاں قائم ہوگئی تھی چنانچہ کوئی شخص یا کوئی جماعت اگر کسی خطۂ ارض میں سیاسی اقتدار نہیں رکھتی تو اسے یہ ہرگز حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ان میں سے کوئی حد، تعزیر یا سزا کسی مجرم پر نافذ کرے حدود و تعزیرات کی آیات کے مخاطب مسلمانوں کے امراء و حکام ہیں عام مسلمانوں سے ان احکام کا کوئی تعلق نہیں یہ بات ابوبکر جصاص نے اپنی کتاب احکام القرآن کی تیسری جلد میں تفصیل سے بیان کردی ہے اسلامی شریعت سے واقف ہر صاحب علم جانتا ہے کہ جمعہ، زکواۃ، فے، قتال اور اقامت حدود یہ پانچ حکم ایسے ہیں جن کے لئے سلطان یعنی اقتدار اور صاحب اقتدار کا وجود ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ احکامات "موکول علی السلطان" کی اصطلاح میں بیان کئے جاتے ہیں حکومت کے بغیر حدود و تعزیرات نہ دارالحرب میں نافذ کی جاسکتی ہیں نہ دارالاسلام میں اگر اسلامی ریاست بھی سزاؤں کا نفاذ نہیں کررہی تو ایک بندہ مومن کا کام صرف صبر ہے۔ ریاست کا فریضہ صرف ریاست ادا کرے گی یہ نہیں ہوسکتا کہ ریاست اپنا فریضہ ادا کرنے میں ناکام ہوجائے تو ایک فرد یا جماعت اس ناکامی کے خلاء کو پر کرنے کے لئے آجائے اور حدود و تعزیرات کا نفاذ شروع کردے اگر آپ کا پڑوسی اپنی بیوی کے حقوق زوجیت ادا نہیں کررہا

تو آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ آپ اس کی بیوی کے حقوق زوجیت ادا کرنے کی ذمہ داری قبول کرلیں یہ دین میں غلو ہے تحریف ہے فساد فی الارض ہے جس کی سزا قتل ہے۔

غامدی صاحب کے یہ اجتہادات بھی درست نہیں ہیں۔ پاکستان کو فی الحال دارالحرب کہنا مشکل ہے لہٰذا اس کے احکامات کی بحث بھی بے معنی ہے۔ یہ ایک پیچیدہ ریاست ہے مثلاً یہ دنیا کی واحد ریاست ہے جس نے کسی اقلیت کو پارلیمنٹ کے ذریعے کافر قرار دیا اور جس کے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے فارم میں یہ درج کرنا ہوتا ہے کہ وہ قادیانی ہے یا نہیں۔ جبکہ جدید ریاست میں پارلیمنٹ کا یہ کام ہی نہیں ہے جدیدیت کے فلسفی اسے Illiberal Democracy کہیں گے۔

انھوں نے فرمایا کہ دار بدلنے سے تمام احکامات بدل جاتے ہیں مگر انہوں نے احکامات کی تخصیص نہیں کی__ شریعت کا ہر حکم دار بدلنے سے نہیں بدلتا__ ہاں بہت سے احکام بدل جاتے ہیں۔ امت کے بارے میں بھی ان کا دعویٰ غلط ہے کیوں کہ امت قرآن کے نص کو رد کرکے اجماع منعقد نہیں کرسکتی۔ قرآن نے محارب دارالحرب میں رہنے والے کافر اور مقیم مسلم کو مباح الدم قرار دیا ہے۔ غامدی صاحب کو یہ بھی نہیں معلوم کہ دارالاسلام کے شہری کے لئے حکم کچھ اور ہے اور اس سے باہر رہنے والے مسلم کے لئے دوسرا حکم__ مثلاً ابوجندل کے اعمال کی ذمہ دار ریاست مدینہ نہ تھی وہ آزاد شہری تھے جنھیں ریاست اسلامی نے معاہدہ کے تحت قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اگر مغرب کی ریاستوں میں کچھ ابوجندل رہتے ہیں تو ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں__ اگر مغرب نے کسی مسلم کو اپنی شہریت دی ہے تو اس کی تعلیم تربیت اعمال کی ذمہ داری اسلام پر نہیں کفر پر عائد ہوتی ہے وہی اس کا ذمہ دار ہے۔ اگر مغرب میں مسلم آباد ہورہے ہیں تو وہ اسلامی نصوص کی خلاف ورزی کرکے آباد ہورہے ہیں ان کے اعمال کا اسلام سے اسلامی ریاست سے کوئی تعلق نہیں دیار کفر میں مستقل قیام کو شریعت نے اجماع سے حرام قرار دیا ہے شیخ حسن بصری تو لکھتے ہیں کہ ایسا مسلمان واپس آئے تو اسے قتل کردیا جائے۔ ممانعت کی وجہ یہی ہے کہ مسلم اگر کفار کے علاقے میں رہے گا تو کافر ہی ہوجائے گا اور اگر کافر نہ ہوسکا مسلمان ہی رہا تو اس کی غیرت اسے کفر سے مصالحت کے لئے آمادہ نہ کرسکے گی__ لہٰذا مغرب میں شہریت حاصل کرنے والے مسلمان اگر توہین رسالت پر کافروں کو قتل کردیتے ہیں تو وہ اصلاً اپنے ایمان کی شہادت دیتے ہیں۔ اسی لئے ایسے ایمان والوں کو شریعت نے کفار کے علاقوں میں مقیم رہنے کی ممانعت کی ہے مگر غامدی صاحب ایک طرف مغرب کو دارالاسلام قرار دے کر مسلمانوں کو وہاں آباد ہونے کی اجازت عام دیتے ہیں۔ اور جب مغرب کے مسلم شہری غیرت ایمانی کے باعث توہین رسالت پر کسی کو قتل کردیں تو غامدی صاحب اسے اسلام کے قانون سے بغاوت کہتے ہیں دارالحرب کا مسلم شہری ایک کافر حکومت کا شہری ہے اور غامدی صاحب اس کے اعمال پر اسلامی احکامات کا نفاذ کررہے ہیں جبکہ دارالحرب میں تو سود بھی حلال ہوجاتا ہے اور مسلمانوں پر حدود و تعزیر کے احکامات بھی نافذ نہیں ہوتے مغرب میں آباد مسلمانوں کے تشدد کا سبب اسلام نہیں جدیدیت کی عالمگیریت کا جبر ہے اس لئے دنیا میں ہر جگہ، ہر ملک، ہر مذہب کے لوگ مغرب کے خلاف بغاوت کررہے ہیں Lutz کی کتاب Global Terrorism کا مطالعہ کرلیا جائے۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ جدید سیکولر لبرل سرمایہ دارانہ آئینی ریاست کی مذہبی حیثیت کیا ہے؟ پاکستان کی ریاست خود کیا ہے؟ کیا وہ جدید ریاست سے الگ کوئی منفرد ریاست ہے یا اسی کا عکس ہے؟ کیا یہ ایک اسلامی ریاست ہے یا لبرل ریاست ہے یا یہ دونوں کا آمیزہ ہے؟ پاکستان کا آئین کیا مکمل طور پر اسلامی ہے یا مخلوط ہے؟ کیا ایک اسلامی ریاست کا تحریری آئین بھی ہوسکتا ہے اور وہ آئین فیڈرلسٹ پیپرز کی روشنی میں اور منشور حقوق کے طے شدہ اصولوں کے تحت تحریر کیا جاسکتا ہے؟ کیا اسلامی ریاست کے آئین کو اور شریعت کو صرف اس کے عوامی نمائندے منظور کرتے ہیں تو تب وہ نافذ ہوسکتا ہے اگر وہ مسترد کردیں تو شریعت کا نفاذ ناممکن ہوجائے۔ یعنی اللہ کے حکم کا نفاذ کیا بندوں کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

کیا اسلامی تاریخ کے پندرہ سو برس میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی ریاست، سلطنت، خلافت نے پہلے عوامی نمائندے منتخب کیے پھر ان کی اجازت سے شریعت کا آئین نافذ کیا؟۔ کیا عصر حاضر کی جدید آئینی ریاست ایک مذہبی ریاست بھی ہوسکتی ہے؟ یہ ایک اہم سوال ہے جس کا جواب پاکستان کے سب سے پڑھے لکھے لبرل چیف جسٹس سپریم کورٹ جسٹس منیر نے منیر کمیشن تحقیقاتی رپورٹ میں آج سے پینسٹھ سال پہلے خود دے دیا ہے یہ سپریم کورٹ کی شہادت ہے ہماری شہادت نہیں ہے اور اس شہادت کے سامنے جاوید غامدی صاحب کے اجتہاد کی کوئی حیثیت نہیں ہے جسٹس منیر نے صاف صاف لکھا ہے مگر کیا لکھا ہے: منیر کمیشن کی رپورٹ عزیز احمد کے عالمانہ تبصروں کے ساتھ پیش خدمت ہے:

If it is an Islamic state as defined by the "Ulama" or the fundamentalists, it cannot be democratic in the modern sense. Technically it cannot be sovereign either, if sovereignty is vested in God.

"***Absolute restriction on the legislative power of a state is a restriction on the sovereignty of the people of that state and if the origin of this restriction lies elsewhere than in the will of the people, then to the extent***

***of that restriction the sovereignty of the state and its people is necessarily taken away*".[(MR) Munir Report (1954) , P-210]**

The dilemma in terms of general politics of Pakistan originated from the fact that through polotical slogans, as through religious persuasion, the common man had been led to believe that Pakistan was an Islamic state. The messianistic idea of an Islamic state had haunted Muslims, especially in India, for centuries during the phase of economic and political decadence of Islam. The Pakistani Muslim found himself ***standing on the crossroads, wrapped in the mental of the past and with the dead weights of the centuries on his back, frustrated and bewildered and hesitant to turn one corner or the other…. It is the lack of bold and clear thinkings, the inability to understand and take decisions which has brought about in paskistan a confusion which will persist and reputedly create situations of the kind we have been inquiring into until our leaders have a clear concept of the goal and of the means to reach it….*(MR page 229)**

On the question of attempts to bring about a compromise between modernisms and orthodoxy in law and constitution, the report commented:

Opposing principles, if left to themselves, can produce confusion and disorder, and the application of a neutralizing agency to them can only produce a dead result… And as long as we rely on the hammer when a file is needed and press Islam into service to solve situation it was never intended to solve, frustration and disappointment must dog our steps. The sublime faith called Islam will live even if our leaders are not there to enforce it. It lives in the individual, in his soul and outlook, in all his relation with God and men, from the cradle to grave, and our politicians should understand that if Divine command cannot make or keep a man a Musalman, their statutes will not. (MR page 229)

Sayyid Ahmed khan is alone in his total denunciation of ijma as a source of law. He was conscious of it only in the classical sense, i.e., that of the ijma of the ulama. Outside india ' Abduh was perhaps the first to see in an extended concept of ijma, as applicable to all Muslims, the seeds of something like modern democracy when he observed that government and legislation by the chosen representatives of the people was entirely in harmony with the spirit of Islam. In the subcontinent the theory of popular ijma as the basis of democracy was developed by Iqbal. Soon it seems to have gained general currency in the entire world of islam, in most cases developed locally. An Afghan writer, Niyaz Ahmad Zikriya, regards the role ijma of the Ulama in classical islam as a manifestation of delegated power, proving the sovereignty of the people whom the direct right of ijma has reverted in modern times.

However liberal or radical the modernist interpretation of the basic classical sources of law may be, as long as the divine word rather than human reason, experience and requirement is regarded as the ultimate source of law, an Islamic state cannot be sovereign in the modern sense of the world.

Absolute restriction on the legislative power of a state is a restriction on the sovereignty of the people of that state and of the origin of this restriction lies elsewhere than in the will of the people, then to extent of that restriction the sovereignty of the state and its people is necessarily taken away. In an Islamic state sovereignty, in its essential juristic sense, can only rest with Allah. (MR page 210)

No in the circumstances can that state be democratic or even ' theo- democrtaic', however broad a meaning may be given to the term ijma.

The crux of the problem is humanistic. In its larger sense humanism is defined by pierre Mesnard as ' toute conception theorique, toute attitude pratique quiaffirment la valeur exceptionelle de l'homme. Its starting point in the west is an " anthroprocentrism reflechi', an attitude unknown to the classical Islam. In Classical islam, in the totality of the traditionalist and fundamentalist current attitudes and in all Indo-Muslim modernist thought except in that of Iqbal, God and not man remains the key figure of the universe dominating man's political, social, economic, and cultural life.[Aziz Ahmed, Islamic Modernism ibid, p. 241, 242 & p. 270, 271]

پاکستان کے چیف جسٹس نے صاف صاف لفظوں میں لکھ دیا تھا کہ جدید ریاست اسلامی نہیں ہوسکتی اسلام ہر فرد کا ذاتی مسئلہ ہے یہ اندرونی روشنی ہے اسے ریاستی قوت سے نافذ نہیں کیا جاسکتا یہ فرد کی صواب دید پر منحصر ہے کہ وہ کتنا مسلمان بننا اور رہنا چاہتا ہے قوانین قاعدے ضابطے کسی کو مسلمان نہیں بنا سکتے لہٰذا فیصلہ کرلیا جائے کہ پاکستان لبرل اسٹیٹ بنے گی یا اسلامی اسٹیٹ۔ یہ بہت بنیادی بات ہے اس کا مابعد الطبیعیاتی اور فلسفیانہ پس منظر ہے اس کے پیچھے تحریک نشاۃ ثانیہ، انسانیت اور روشن خیالی کی فلسفیانہ علمی تحریکوں کی علمیت ہے جو کسی مذہبی علمیت کو علمیت تسلیم نہیں کرتیں اور تعقل مذہبی کی بنیاد پر معاشرے ریاست حکومت کی تعمیر تشکیل ترتیب کو حرام سمجھتی ہے سیکولرازم کوئی طریقہ نہیں طرز فکر اور فلسفہ زندگی ہے کہ زندگی کے کسی دائرے میں تعقل مذہبی کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا صرف فرد اپنی ذاتی زندگی میں جس سے مراد صرف اور صرف فرد کی ذاتی زندگی ہے باقی سب اس کے لئے Other ہیں حتیٰ کہ اس کا خاندان بھی___ وہ تنہا فرد صرف اپنی ذات کی حد تک مذہبی آزادی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اس کے سوا مذہب کسی سطح پر جدید ریاست کو قبول ہی نہیں ہے اس سلسلے میں فیڈرلسٹ پیپرز کو ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

منیر کمیشن رپورٹ کی حقیقی واقعی فلسفیانہ بنیادوں پر غور کرنے، مستقبل کا لائحہ عمل طے کرنے اور جدید لبرل ریاست کو رد کرنے کے بجائے علماء نے صرف سادہ طریقے سے اس رپورٹ کو مسترد کردیا اور ان تمام مباحث کو نظر انداز کردیا جو اس رپورٹ میں اٹھائے گئے تھے علماء کے دباؤ کے تحت سیکولر لبرل حلقے پسپا ہوگئے انھوں نے مصالحت کرلی صرف بیس سال بعد علماء کا دباؤ بہت زیادہ بڑھا تو ریاست نے انھیں خوش کرنے کے لیے ۱۹۷۳ء میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دے دیا مگر ۱۹۷۳ء کا لبرل سیکولر آئین بھی چند اسلامی دفعات شامل کرکے علماء سے تسلیم کروالیا مگر اب لبرل حلقے اس رپورٹ کے مطابق پاکستان کو اسلامی ریاست کے بجائے سیکولر ریاست بنانے کے عمل کو مہمیز دے رہے ہیں۔ رپورٹ جب آئی تب علماء سب سے بڑی قوت تھے اس قوت کی تاریخ حسن جعفر زیدی کی کتاب "ملائیت اور فرقہ واریت کا آغاز "میں پڑھی جاسکتی ہے۔ مسلم لیگ، قائداعظم اور لیاقت علی خان بھی علماء کی قوت کو تسلیم کرتے تھے اور ان کی رائے کو فیصلوں میں بنیادی اہمیت دیتے تھے مسلم لیگ کی رکنیت غیر مسلموں کے لئے کھولنے کا فیصلہ مسلم لیگ کو علماء کے دباؤ کے باعث واپس لینا پڑا تھا بعض اوقات قائداعظم بھی علماء کے سامنے اپنی محکم رائے تبدیل کرلیتے تھے یہ علماء کا احترام بھی تھا اور ان کی بے مثال قوت و شوکت کا اعتراف بھی۔

اس وقت پاکستان میں مدارس کی تعداد برائے نام تھی اور اب مدرسے کئی ہزار ہیں علماء لاکھوں___ مگر اسلام اب ریاست کے ایوانوں اور محرابوں سے نکل کر صرف مدرسے کی چار دیواری میں محصور ہوگیا ہے جس طرح پوپ کو جدید ریاست نے ویٹی کن کی سرحدوں میں قید کردیا ہے۔

مدارس کی کثرت نے علماء کی قوت میں زبردست اضافہ کے بجائے ان کی طاقت کو مکمل تحلیل کردیا ہے وہ اسلامی ریاست کے بجائے اپنی ریاست کے تحفظ میں مصروف ہیں۔ بڑے بڑے ادارے بنانے کا انجام یہی ہوتا ہے اسی لئے مغرب ادارے بنانے پر زور دیتا ہے ادارے پاؤں کی زنجیریں بن جاتے ہیں جب آپ صرف مسجد کے صحن میں ادارہ بناتے ہیں تو اسے کوئی ختم نہیں کرسکتا، روسی کمیونسٹ حکومت بھی مساجد کو ختم نہیں کرسکی۔ ۲۰۱۶ء کے آتے آتے علماء کی یہ قوت مصلحتوں کے باعث بالکل تحلیل ہوکر رہ گئی۔

اصولی طور پر پاکستان ایک اسلامی ریاست ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور یہ بات دعوے کی حد تک سو فی صد صحیح ہے، آئین اسلامی بھی ہے اور سیکولر لبرل بھی یعنی مخلوط ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے قرارداد مقاصد کو آئین کے دیباچے میں شامل کرکے اسے آئین سے برتر دستاویز Supra Constitutional کی حیثیت دی تھی یہ وہی قرارداد ہے جس کے بارے میں ایک بہت بڑے عالم نے یہ کہا تھا کہ آج پاکستانی ریاست نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ حالانکہ ریاست کلمہ نہیں پڑھتی فرد کلمہ پڑھتا ہے ریاست نہ قبر میں جاتی ہے نہ میدان حشر میں جواب دہ ہوتی ہے یہ صرف فرد ہوتا ہے جو قبر اور حشر میں سوالات کا سامنا کرتا ہے۔ اسی لیے مذہبی ریاستیں آئینی نہیں شخصی ہوتی ہیں وہاں اداروں کی نہیں فرد کی حکومت ہوتی ہے یہی فرد زمین پر خدا کی نیابت خلافت کے ذریعے انجام دیتا ہے یہی خلیفۃ الارض خدا کی عدالت میں جواب دہ ہوتا ہے۔ قرارداد مقاصد کی برتر و بالا حیثیت کو حاکم خان کیس میں جسٹس نسیم حسن شاہ نے منسوخ کردیا اور یہ فیصلہ کیا کہ آئین کی تمام شقیں برابر ہیں کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہیں لہٰذا آئین کی اسلامی شقیں اور غیر اسلامی شقیں برابر ہوگئی ہیں کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ دین جب بھی جدید آئین کی شق [Article of Constitution] کے طور پر شامل ہوگا وہ دین نہیں رہے گا بلکہ آئین کی محض ایک دفعہ یا شق یا حصہ ہوگا جس کا وجود صرف اور صرف اکثریت کی حمایت سے اس وقت تک قائم رہے گا جب تک اس کی مخالف اقلیت یا حزب اختلاف کو اس ایوان میں اکثریت حاصل نہیں ہوجاتی کیونکہ منشور انسانی حقوق کے تحت صرف منشور مقدس ہے اور آئین ایک غیر مقدس دستاویز ہے کیونکہ آئین کی ہر شق پر تنقید ہوسکتی ہے اس میں ترمیم، تصحیح، تبدیلی، اضافہ کمی کی جاسکتی ہے، بلکہ اسے مسترد، منسوخ، معطل، کالعدم اور خارج بھی کیا جاسکتا ہے لہٰذا دین کے مقدس احکام، شریعت کے قطعی، منصوص فیصلے بھی جب اس غیر مقدس آئین کا حصہ بنتے ہیں تو وہ خود ہی اپنے تقدس سے دستبردار ہوجاتے اور خود کو تنقید تمسخر اعتراض کے لیے پیش کردیتے ہیں۔ پیپلز

پارٹی کے سابقہ دور حکومت میں قومی اسمبلی کی ایک کمیٹی میں ایک علاقائی لسانی سیاسی جماعت نے ایک قرارداد پیش کی کہ پاکستان کے آئین میں خدا کی حاکمیتِ اعلیٰ کی شق خارج کردی جائے کمیٹی میں یہ قرارداد رائے شماری کے لئے پیش ہوئی تو اس موقع پر پی پی پی کے اراکین نے اس تجویز کے خلاف ووٹ دیے اور خدا کی حاکمیت کے خاتمے کی مجوزہ قرارداد مسترد ہوگئی روزنامہ جسارت نے بڑی عجیب اور معنی خیز خبر لگائی'' آئین میں خدا کی حاکمیت دو ووٹوں کی اکثریت سے برقرار رہی'' آئین اسی دستاویز کو کہتے ہیں اسی اصول کے تحت صدر محمد مرسی نے جب مصر میں اقتدار سنبھالا تو اپنی اکثریت کے زعم میں آئین میں توہین رسالت کی شق شامل کردی جب ان کی حکومت برطرف کردی گئی اور انتخابات میں ان کی مخالف جماعت کو ایوان میں اکثریت حاصل ہوئی تو کثرت رائے سے توہین رسالت کی شق آئین سے خارج کردی گئی جن اصولوں، اقدار، قوانین ،شقوں کا دارومدار صرف اور صرف اکثریت کی رائے پر منحصر ہو اور آراء تبدیل کرنے کی ہمیشہ اجازت ہو تو وہ دین نہیں ہوسکتی کیونکہ دین مطلق، دائمی، ناقابل تغیر قطعی ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا جو تنقید سے بالاتر ہے۔ لہٰذا کسی ملک کے آئین کو اسلامی کہنا اصلاً اسلام کے نصوص کو تنقید کے لیے پیش کرنے کے مترادف ہے۔ جب اسلام پر تنقید ہو تو شور مچادینا مسئلے کا حل نہیں ہے۔

بنیادی بات یہ ہے کہ کسی بھی جدید ریاست کا آئین منشور انسانی حقوق [Human rights Declartion] کی بنیاد پر تیار کیا جاتا ہے اور تمام قوانین اس آئین کی روشنی میں بنائے جاتے ہیں منشور بنیادی حقوق مقدس دستاویز ہے اس کی تیس شقوں [Thirty Articles] میں سے کسی ایک شق پر بھی تنقید نہیں کی جاسکتی ان تیس عقائد کو من وعن قبول کرنا ہوتا ہے یہ take fo granted ہیں ان کی عقلی توجیہہ پیش نہیں کی جاتی یہ ہر آئین کا مذہب ہے اس مذہب کے مطابق آئین بنایا جاسکتا ہے آئین غیر مقدس دستاویز ہے اس پر تنقید ترمیم تبدیلی کے لیے ہمیشہ پارلیمنٹ میں بحث مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔

اسلام مقدس ہے اس کی شریعت مقدس ہے مگر جب وہ اس غیر مقدس غیر مطلق متغیر آئین کا حصہ بنتی ہے تو اس پر بھی تنقید کی جاسکتی ہے اس میں ترمیم ہوسکتی ہے اس کا مضحکہ اڑایا جاسکتا ہے کیونکہ جمہوری معاشرہ ایک غیر مقدس معاشرہ [Profan Society] ہوتا ہے جہاں سوائے منشور انسانی حقوق کے کوئی چیز مقدس [Sacred] نہیں۔توہین رسالت کا مقدس قانون جب غیر مقدس آئین کے تحت قانون بنایا گیا اور اسمبلی نے اسے منظور کرلیا تو منشور انسانی حقوق کے تحت اس قانون پر ہر شخص کو تنقید کی اجازت ہے سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے اس آئین وقانون کا حلف اٹھایا ہے مگر وہ بھی اس کو آئینی قانونی طریقوں سے تبدیل کرنے کا پورا حق رکھتے ہیں کیونکہ یہ مطلق آئین Absolute Constitution نہیں ہے۔

عدالت عظمیٰ نے اسی تناظر میں فیصلے کے اندر یہ لکھا ہے کہ کسی قانون پر تنقید کرنا توہین رسالت نہیں ہے کیونکہ آئین قانون پر تنقید کی لامتناہی آزادی حاصل ہے عدالت کا یہ فیصلہ انسانی حقوق کے منشور کے منہاج میں درست فیصلہ ہے مگر اسلام اس منہاج علمی کو تسلیم ہی نہیں کرتا لہٰذا اسلامی شریعت کی روشنی میں یہ بالکل غلط فیصلہ ہے آئین اور اسلام کو مخلوط نہیں کیا جاسکتا مذہبی علیت اس اختلاط کو غیر علمی سمجھتی ہے فلسفے اور سائنس میں بھی دو مختلف مناہج علمی [Paradigms] کو مخلوط نہیں کیا جاسکتا کیونکہ دو مخالف مناہج علم کو ملانا ممکن نہیں علم کی دنیا میں یہ غیر علمی رویہ ہے کیونکہ دونوں مناہج کے اصول مبادیات، ایمانیات ،عقائد، طریقے سب مختلف ہوتے ہیں دو متضاد مناہج کو ملانے مخلوط کرنے کا یہ طریقہ تصور اور نظریہ [Idea] ہی علم کی دنیا میں incommensurable یعنی نظریہ عدم توافق کہلاتا ہے جدید علم سائنس کی دنیا میں بھی علم سائنس کے مختلف مناہج Paradigms کو بھی مخلوط نہیں کیا جاسکتا۔یعنی آپ نیوٹن کے منہاج علمی میں کھڑے ہو کر آئن اسٹائن کے منہاج علمی کو استعمال نہیں کرسکتے۔ یہ دو مختلف مناہج سائنس ہیں۔

فلسفہ سائنس کا مفکر کوہن Thomas Kuhan اپنی کتاب The Structure of Scientific Revolutions میں لکھتا ہے Rival Paradigms are incommensurable۔کوہن لکھتا ہے کہ ایک منہاج سائنس سے دوسرے منہاج سائنس میں کسی سائنس دان کی منتقلی ایک ایسا عمل ہے جیسے کوئی شخص ایک مذہب ترک کرکے دوسرا مذہب اختیار کرلے کوہن کے الفاظ میں .It is a gestalt switch or a religious conversion۔

جب سائنس اس بارے میں اتنی متشدد ہے تو آئین اور قانون میں مذہبی اصطلاح اور مغربی اصطلاح آزادی اور بندگی کو کیسے اکٹھا کیا جاسکتا ہے ایک منہاج علمی میں دوسرے باطل منہاج کی اصطلاح کیسے سموئی جاسکتی ہے۔اصولاً ایک منہاج علمی کے اصول دوسرے منہاج علمی میں غلط نظر آتے ہیں مثال کے طور پر

The statement that a straight line is the shortest distance between two points or that Paralled line

only meet at infinity is true if and only if we are situated in Euclidean space لیکن کیا اس اصول کا اطلاق Curved and elliptical space پر کیا جاسکتا ہے؟ ظاہر ہے ایک منہاج کے اصول ایک منہاج کی دلیل دوسرے منہاج میں نہیں سموئی جاسکتی۔ کوہن نے اس صورت حال کو عدم توافق سے تعبیر کیا ہے۔

فلسفے کے دائرے میں دو متضاد متخالف مناہج فلسفہ کو مخلوط کرنے کا عمل اصطفائیت کہلاتا ہے۔ مختلف مناہج فلسفہ کے اختلاط وآمیزے سے تخلیق پانے والا فلسفہ [Eclecticism] کہلاتا ہے یعنی مختلف فلسفیانہ یا دینیاتی مسائل کو مرکب کرنے کا اصول عمل یا رجحان عملی صورت میں اصطفائیت [Eclecticism] فلسفیانہ نظاموں میں وحدت تلاش کرنے کا نام ہے لیکن عام طور پر یہ رجحان ایسے مفکرین کے یہاں پایا جاتا ہے جن میں ذہنی اپج کی کمی ہو [قاضی قادر کشاف اصطلاحات فلسفہ کراچی یونیورسٹی، ص ۵۷] اصطفائیت کی ایک اور تعریف درج ذیل ہے:

Eclectic position in philosophy and religion seeks to combine the best elements of other views[Simon Blackburn Oxford Dictionary of Philosophy p. 109, 2005]

افسوس یہ ہے کہ ۱۹۷۳ء سے پاکستانی آئین اسی غیر علمی طریقے سے دو مناہج کو مخلوط کر کے عمر بسر کر رہا ہے اور یہی رویہ پاکستانی معاشرے کو تصادم اور تشدد کے راستے پر لے جا رہا ہے۔

جسٹس نسیم حسن شاہ نے جب آئین کی تمام اسلامی وغیر اسلامی دفعات کو ایک دوسرے کے مساوی قرار دے دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کا قانون اور انسانوں کا بنایا ہوا قانون برابر ہیں A=B دوسرے معنوں میں B=A اور جب دونوں برابر ہیں تو فیصلہ چاہے شریعت کے مطابق ہو یا شریعت کے خلاف ہو کوئی فرق نہیں پڑتا سوال یہ ہے کہ حق و باطل کیسے برابر ہوسکتے ہیں؟ ظاہر ہے اس اصول کے مطابق صرف اور صرف جدید سیکولر قوانین کے تحت ہی فیصلے کیے جاسکیں گے۔ اصولی طور پر پاکستانی ریاست اسلامی ہونے کے باوجود مسلسل لبرل سیکولر قالب اختیار کرتی جارہی ہے ریاست نے میڈیا کو قرآن کی نصوص کے خلاف عریانی فحاشی پھیلانے کی مکمل آزادی دے رکھی ہے جب کہ قرآن نے فحش پھیلانے والوں کے لیے واضح طور پر حکم دیا کہ انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے قتل کردیا جائے۔ لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَہِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ وَّ الۡمُرۡجِفُوۡنَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ لَنُغۡرِیَنَّکَ بِہِمۡ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوۡنَکَ فِیۡہَاۤ اِلَّا قَلِیۡلًا مَّلۡعُوۡنِیۡنَ اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَ قُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا [۳۳:۶۱،۶۰] لہٰذا پاکستانی ریاست کو اصولاً دارالحرب کہنا بھی بالکل غلط ہے اور عملاً پاکستانی ریاست کو دارالاسلام کہنا بھی بالکل غلط ہے کیوں کہ پہلا دارالاسلام مدینۃ النبی تھا جہاں فحش کی اشاعت کی سزا نص قرآنی سے ٹکرے ٹکڑے کر کے قتل کردینا ہے جب کہ پاکستان کے دارالاسلام میں اس سزا کا اطلاق بھی نہیں ہو رہا اور اسلامی ریاست تمام چینلوں کو عریانی فحاشی پھیلانے کے اجازت نامے پیسے لے کر خود جاری کر رہی ہے لہٰذا پاکستان کا معاملہ فی الحال مخدوش ہے۔ ویسے بھی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس منیر احمد کے فیصلے کے مطابق لبرل ریاست اسلامی نہیں ہوسکتی۔ ۱۹۷۳ء کے دستور کے تحت یہ مخلوط ریاست ہے لہٰذا غامدی صاحب کا یہ اجتہاد کہ پاکستان دارالاسلام ہے۔ سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں درست نہیں۔

بلاشک وشبہ اصولی، لفظی، حرفی، قانونی، کاغذی، آئینی، دستوری طور پر اپنے بیان، اقرار اور عقیدے کی سطح تک پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے۔ تمام مذہبی سیاسی جماعتیں یہی نقطۂ نظر رکھتی ہیں اور تمام مکاتب فکر کی متفقہ رائے یہی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ غیر مذہبی سیکولر لوگ پاکستانی ریاست کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں ان سب کی متفقہ رائے چیف جسٹس منیر احمد سے لے کر جسٹس شائق عثمانی، چیف جسٹس نسیم حسن شاہ، چیف جسٹس تصدق حسین جیلانی اور جسٹس سرمد جلال عثمانی تک ایک ہی ہے کہ پاکستان ایک سیکولر لبرل ریاست ہے اِسے مذہبی ریاست تسلیم ہی نہیں کیا جاسکتا۔ عدالت اس ملک میں قانون کی شارح ہے عدالت کی قوت یہ ہے کہ اس نے ایک وزیر اعظم نواز شریف کے خلاف کاروائی شروع کی تو نواز شریف نے عدالت کے چیف جسٹس سجاد علی شاہ کے خلاف عدالت کے ججوں سے بغاوت کرا کے چیف جسٹس کو برطرف کرادیا اس عدالت نے دوسرے وزیر اعظم کو توہین عدالت کی کاروائی میں اس کے منصب سے برطرف کردیا۔

چیف جسٹس تصدق حسین جیلانی نے اپنی ملازمت کے خاتمے سے چند دن پہلے جسٹس منیر کی رپورٹ کی روح کے عین مطابق تاریخی فیصلہ دیا جس میں انھوں نے منشور انسانی حقوق کی بنیاد پر ہر فرد کو ارتداد کی آزادی عطا فرمائی یعنی ارتداد ہر انسان کا حق ہے۔ اس فیصلے میں انھوں نے لکھا ہے کہ ہر شخص اپنا مذہب تبدیل کرسکتا ہے

اس فیصلے کا انگریزی متن اور اردو ترجمہ سپریم کورٹ کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔ تصدق حسین جیلانی ایک مخلص، بے باک اور راسخ العقیدہ لبرل چیف جسٹس تھے انھوں نے عدلیہ کے دیگر ججوں کی طرح انسانی حقوق کے منشور کے کفر کی اسلام کاری کرنے اور لیپا پوتی کرنے کے بجائے صاف صاف لفظوں میں انسانی حقوق کے منشور کی روح کے مطابق یہ تاریخی فیصلہ صادر فرمایا۔ حیرت ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کے بڑے بڑے مذہبی وکلاء، مذہبی مفکرین اور سپریم کورٹ کے بہت سے جج بھی منشور انسانی حقوق کی مابعد الطبیعیاتی اساسات سے ناواقف ہیں اور اسے خطبہ حجۃ الوداع سے ماخوذ سمجھتے ہیں لیکن مغربی فلسفے اور فکر پر گہری نظر رکھنے والے لبرل مفکر اور جج جن کی تعداد پاکستان میں رائی کے برابر بھی نہیں منشور انسانی حقوق کی اصل روح، ایک آئینی دستوری ریاست کے اصل مقاصد، جوہر [Essence] اس کے ماخذات قانون [Sources of Law] اس کی مابعد الطبیعیاتی اساسات [Meta Physical foundations] اس کے مقاصد اہداف [Aims and Goals] اور اس کے فلسفہ سیاست [Political Philosophy] سے بخوبی واقف ہیں اور اسی کے مطابق فیصلے کر رہے ہیں اور پاکستانی ریاست انھیں قبول بھی کر رہی ہے ان کے خلاف اپیل نہیں کر رہی۔ سود کے حوالے سے مقدمہ اس کی بہترین مثال ہے۔ لیکن اس کے باوجود مذہبی مکاتب فکر میں سے کسی ایک مکتب فکر کو ان مباحث سے دلچسپی نہیں۔

منشور انسانی حقوق کی بنیاد پر جو تصور انسان، تصور کائنات اور تصور خیر پیش کیا گیا اس کا ماخذ فیڈرلسٹ پیپرز [Fedralist Papers] ہے اس میں خدا، رسول اور آخرت کی کوئی گنجائش نہیں وہ صرف آزادی کا تصور الحق [Suprem Good of Freedom] پیش کرتا ہے جس کے تحت انسان کسی مقصد کا ذریعہ [Mean to an end] نہیں بلکہ خود اصل ہدف اور مقصد [End in himself] ہے یہ منشور انسان کو تخلیق خیر [Creation of Good] کا اختیار دیتا ہے بشرطیکہ وہ آزادی کے عقیدے کے تابع خیر تخلیق کرے [The Good be created under the suprem Good of Freedom] ـــــ یہ منشور ہر شخص کو اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنے اور جب چاہے اپنا مذہب بدلنے بلکہ کوئی نیا مذہب تخلیق کرنے یا کسی بھی مذہب میں اپنی خواہش نفس کے مطابق ترمیم و تنسیخ، اضافے کمی کا کلی اختیار دیتا ہے کیوں کہ آزادی کے عقیدے کے تحت ہر شخص کو صرف اپنا انفرادی خیر خلق کرنے کی آزادی ہے کیوں کہ مذہب کوئی علم نہیں کوئی علمی ''عقلی'' حقیقت نہیں۔ لہٰذا انسان مذہب کے ضمن میں جو چاہے تصور عقیدہ عمل اختیار کرے یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے کیوں کہ مذہب کی کوئی حقیقت اور کوئی حیثیت نہیں۔ جب منشور یہ کہتا ہے کہ تمام مذاہب عالم برابر ہیں تو اصلاً اس کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ الحق اور الخیر کی بحث بے معنیٰ ہے یہ جہالت و جاہلیت خالصہ ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر شخص کو کوئی بھی مذہب اختیار کرنے کی آزادی صرف اور صرف اس کی انفرادی زندگی کے دائرے میں حاصل ہے۔ بشرطیکہ یہ مذہب آزادی کے عقیدے کے منافی [Against the faith of freedom] نہ ہو ــــ اصل الحق آزادی مساوات ترقی کے تین عقیدے اور ان کا حصول فلسفہ حقوق، حقوق کی سیاست اور منشور انسانی حقوق [Philosophy of Right/ Politics of Rights/ Human Rights Decleration] کے ذریعے ہی ممکن ہے یعنی فرد کی آزادی، لذت، آمدنی، معیار زندگی میں مسلسل اور مستقل اضافہ عصر حاضر میں جان رالس کسی شخص کے قابل عزت ہونے کے چار پیمانے بتاتا ہے (1) Income (2) Wealth (3) Power (4) Authority ـــــ رالس لکھتا ہے کہ جس انسان کو یہ چار بنیادی خیر [Prime Goods] حاصل نہ ہوں وہ اپنی نظروں میں بھی عزت حاصل نہیں کر سکتا۔

مذاہب عالم اور اسلام جدیدیت اور پس جدیدیت کے ان تین باطل عقیدوں کو تسلیم ہی نہیں کر سکتے۔ جدید مغربی فلسفے، سوشل سائنس، اور جدید فلسفہ سیاسیات سے واقف ہر شخص ان مباحث سے واقف ہے کہ جدید آئینی دستوری ریاست میں مذہب کی حاکمیت قائم ہی نہیں ہو سکتی کیوں کہ یہ ریاست منشور انسانی حقوق کی بنیاد پر اپنا آئین تیار کرتی ہے جو صرف ارادۂ عامہ [General will] کے تابع حاکمیت عوام کو تسلیم کرتی ہے ارادہ عامہ اور آزادی [General Will & Freedom] کی فلسفیانہ اصطلاحات کو سمجھے بغیر جدید ریاست کی حقیقت کو سمجھنا ناممکن ہے یہاں موقع بھی نہیں ہے۔ جدید ریاست ہماری خواہشوں اور آرزوؤں کے مطابق کام نہیں کر سکتی خواہشات اگر متبادل علمیت اور قوت کے نئے دائروں کے ساتھ ظہور کریں تو ریاست کو یقیناً اسلامی بنایا جا سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے بہت جدوجہد، محنت، کوشش اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہے نیک خواہشات سے کبھی انقلاب برپا نہیں ہو سکتا یہ بات بھی واضح رہے کہ منشور انسانی حقوق کی کتنی ہی تاویل کر لی جائے یہ اسلامی نہیں ہو سکتا۔ جسٹس تصدق حسین جیلانی کا فیصلہ پڑھنے کے بعد بھی اگر علماء کرام منشور انسانی حقوق کی اصلیت، ماہیت، حقیقت، سمجھنے سے قاصر ہیں تو اس پر افسوس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔

جہاں تک غامدی صاحب کے اس اجتہاد کا تعلق ہے کہ دار غیر میں اسلامی شریعت کے کسی حکم، نص، اصول کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا اس پر نقد ہم پہلے کر چکے

ہیں۔ یہ اجتہاد بھی قرآن کے نصوص کے خلاف ہے سورہ بنی اسرائیل مکی سورت ہے جب مسلمان دارالحرب مکہ میں مقیم تھے اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی نہ نظم اجتماعی موجود تھا تب قرآن نے حکم دیا کہ مظلوم مقتول کا بدلہ ریاست حکومت، اور نظم اجتماعی کے بغیر ایک فرد دارالحرب میں لینے کا مجاز ہے۔ ثابت ہوا کہ دارالحرب میں نظم اجتماعی کے بغیر ایک فرد اپنی صواب دید پر ایک مسلمان کے خون کا بدلہ خود لے سکتا ہے وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا [۱۷:۳۳] انسانی زندگی اللہ کے نزدیک اتنی اہمیت کی حامل ہے کہ اس کے لیے دارالحرب میں ایک کافر کو بھی قصاص میں قتل کیا جاسکتا ہے۔ خود غامدی صاحب کا مؤقف بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی ہے اس کی تفصیل کے لیے میزان لاہور المورد طبع ہفتم ۲۰۱۳ء کا صفحہ ۶۱۸ ملاحظہ کیجئے۔ جہاں غامدی صاحب نے یہی موقف اختیار کیا مگر اب ارتقاء کے تحت دوسرا موقف اختیار کر لیا ان کے دونوں اصول Oxymoron ہیں۔

سورہ شوریٰ مکی سورت ہے اس میں بھی قرآن نے دارالکفر دارالحرب میں کفار کے ظلم و جبر زیادتی اور ستم کا اتنا ہی بدلہ لینے کی اجازت دی ہے وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ [۴۲:۴۰،۴۱،۴۲] لہٰذا غامدی صاحب کا یہ استدلال بھی غلط ہے کہ بعض حالات میں سزا کے لیے یا بدلے اور انتقام کے لئے نظم اجتماعی اور دارالاسلام کا ہونا ضروری ہے اور ان کا یہ دعویٰ بھی ان کے پچھلے دعوے سے مختلف ہے کہ ”حدود تعزیرات کا حکم ہی قرآن کی ان سورتوں میں بیان ہوا ہے جو اس وقت نازل ہوئیں تھی جب یثرب کا اقتدار رسول اللہ کو منتقل ہوچکا تھا“ [غامدی میزان لاہور المورد طبع ہفتم ۲۰۱۳ء ص ۶۰۹]

امین احسن اصلاحی اور غامدی صاحب سورہ حج کو مکی سورت قرار دیتے ہیں۔ اس سورت میں بھی دونوں کی تحقیق کے مطابق قتال اور جہاد کے اولین احکامات دیئے گئے ظاہر ہے اس وقت ریاست مدینہ موجود نہ تھی۔ اس کے بعد مدنی سورت سورہ بقرہ کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۳ اور ۲۱۶ تا ۲۲۴ میں باقاعدہ جنگ کا حکم دیا گیا جہاد کی اجازت ہجرت سے پہلے اور جہاد کا حکم ہجرت کے بعد کا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ”موکول علی السلطان“ کے دائرے کے احکامات نظم اجتماعی اور ریاست سے مشروط ہیں تو یہ احکامات مکی سورتوں میں کیوں دیئے گئے؟ سورہ حج میں آتا ہے کہ ان لوگوں سے تمہیں جنگ کی اجازت دی گئی جنھوں نے تم پر ظلم کیا ہے اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ [۲۲:۳۹،۴۰] وَ جَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ [۲۲:۷۷] سورہ حج میں کفار سے دارالحرب میں ظلم کا بدلہ لینے کی بھی اجازت دی گئی ذٰلِكَ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ [۲۲:۶۰]

غامدی صاحب کے تمام اجتہادات oxymoron ہیں یہ قرآن کے نصوص کے بھی منافی ہیں اور امت کی اجماعی علمیت سے بھی انحراف رکھتے ہیں۔

علماء کی خدمت میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ صرف یہی عرض کرنا ہے کہ چٹکی بھر مٹی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی مگر وہ چٹکی بھر مٹی ہوا کا رخ بتا دیتی ہے ــــ ممتاز قادریؒ کی شہادت نے ہوا کا رخ بتا دیا ہے مگر علماء ابھی تک اس رخ کو پہچان نہیں سکے۔ ۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت کے دوران ایک خطیب نے تین عجیب و غریب شعر پڑھے تھے ہم اس وقت طالب علم تھے اور ان اشعار کو حقیقت سمجھتے تھے آج ہم عمر کی آخری منزلوں میں ہیں تو ہمیں ان اشعار کی حقیقت صرف خطابت نظر آئی وہ عجیب و غریب اشعار جنھوں نے میرے دل میں کئی مہینوں تک آگ دہکائے رکھی جو آج بھی میری رگوں میں خون کی رفتار تیز کر دیتے ہیں شہید ممتاز قادریؒ کے حضور نذرانہ عقیدت کے طور پر پیش کرتا ہوں۔

اپنی اس تحریک میں ایسے اٹھاؤں گا شہید   جن کے مدفن کو زمین کربلا دینی پڑے
اتنا کردوں گا میں ماؤں کی محبت کو بلند   دل کے ٹکڑوں کو شہادت کی دعا دینی پڑے
میرے ہم راہی کریں گے اس طرح جانیں نثار   ذرے ذرے کو دعائے مغفرت کرنی پڑے